یا حی یا قیوم و بر حمتک نستغیث

مجری الحیات

مقدمہ

دوستو! مجری الحیاۃ کا مقدمہ تحریر کرنا مطلوب ہے۔ لیکن معلوم نہیں کہ یہ مطلوب، مرغوب ہے یا غیر مرغوب۔ غیر مرغوب اس حوالے سے کہ دوستوں کی ایک کثیر تعداد کا اس فقیر کے بارے میں یہ احساس ہی نہیں بلکہ انہیں یقین کامل ہے کہ اسے لکھنا تو کجا قلم پکڑنا بھی نہیں آتا۔ ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ یہ شخص بولا راتو ہے اور خوب بولا راہے گھنٹوں بلا تکان بول سکتا ہے مشکل سے مشکل موضوعات پر بول سکتا ہے مذھب ہو یا فلسفہ، معاشرت ہو یا معیشت، دین ہو یا دنیا، جس موضوع پر اسے بولنے کو کہ دیا جائے۔ اس پر فی البدیھہ بولنا اور بلا تکان انداز میں بولنا، پھر صرف بولنا نہیں بلکہ مسحور کن انداز میں بولنا اس پر ختم ہے۔ لیکن لکھنا اور وہ بھی چند سطریں، اس سے ناممکن نہیں تو مشکل اور نہایت مشکل ضرور ہے۔ دوستوں کے اس تاثر کو سنتے سنتے میں تنگ آگیا ہوں۔ اب میں نے بولنے کی بجائے لکھنے اور صرف لکھنے، دن رات لکھنے اور صرف لکھنے ہی کا فیصلہ کر لیا ہے۔ ابتک میں بولا را تھا تو آج سے میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ میں لکھنے کے سواء کوئی دوسرا کام نہیں کروں گا۔ اب دیکھئے اس فیصلے کے نتیجہ میں کیا کچھ ظہور پذیر ہوتا ہے۔

الخریطہ:

دراصل ان دوستوں میں سے کوئی ایک بھی نفسیات دان نہیں ہے کہ اس نے میرے باطن میں جھانک کر یہ دیکھا ہو کہ میرے نہ لکھنے کا اصل سبب کیا ہے۔ میرے نہ لکھنے کا سبب میری نااھلیت نہ تھی، بلکہ اس کے پیچھے کچھ تاریخی و نفسیاتی اسباب و عوامل کار فرما تھے۔ بات دراصل یہ ہے کہ میں نے جب آزاد دانہ مطالعے کا آغاز کیا تو مجھے ابتدائی پڑاؤ میں ہی علامہ المشرقی سے واسطہ پڑ گیا۔ ان کی ایک کتاب "الخریطہ" نے جو کہ فتنہ کتابت کے مفاسد کے بیان کرنے میں ایک بے مثال کتاب ہے اس نے مجھے اپنی گرفت میں اس مضبوطی سے جکڑ لیا کہ میں آج کے دن تک اس کے سحر سے آزاد نہ ہو سکا، یہ کتاب جو کہ فتنہ کتابت کے مفاسد کے بیان میں ایک عدیم النظیر کتاب ہے؛ اس کی سحر آفرینی کا آپ اس امر سے اندازہ لگائیں کہ یہ کتاب جو کہ فتنہ کتابت کے مفاسد پر ہے خود فتنہ کتابت ہی کی پیداوار ہے، اس کے مصنف نے جس جرم کا دوسروں کو مرتکب قرار دیا ہے یہ مصنف خود اسی فتنہ میں دوسرے مصنفین سے کم مبتلا نہیں ہوا۔ تذکرۃ سے لیکر تکملہ دہ الباب، ارمغان حکیم، حدیث القرآن اور پھر الخریطہ نہ معلوم کتنی ہی چھوٹی بڑی تصنیفات ان کے قلم و قرطاس سے علم و حکمت کے بازار میں بک رہی ہیں۔ اور خریداروں سے دادِ تحسین کے ڈونگرے حاصل کر رہی ہیں لیکن میں تھا کہ اس سے مسحور ہو کر قلم و قرطاس کی ہزار ہا جاذبیتوں کے باوجود اور بدترین طعن و تشنیع بلکہ تحقیر و تنقیص کے اپنے اوپر حملے دن رات چڑھائی کرتے دیکھتا تھا پھر بھی اپنے دفاع میں بھی کوئی ایک حرف تحریر کرنے پر آمادہ نہ ہو رہا تھا۔

علامہ غلام مرشدؒ:

ایک طرف علامہ المشرقی کا یہ الخریطہ تھا کہ جس نے قلم و قرطاس کی دنیا میں قدم رکھنے سے مجبور کئے رکھا، تو دوسری طرف مجھے شاہی مسجد کے سابق بلکہ اسبق خطیب استاذ مکرم علامہ غلام مرشد مرحوم کی ذات نے قلم و قرطاس کی دنیا میں قدم رکھنا تو کجا اس کے قریب پھٹکنے کا ارادہ تک نہ کرنے دیا، ہوا یوں کہ جس دن میں ان کے درس قرآن میں حاضر ہوا ان کی زبان اقدس سے یہ الفاظ جاری ہو رہے تھے کہ

" اے لوگو! اگر تم قرآن حکیم سمجھنا چاہتے ہو تو یہ انبار در انبار جو کتابوں کی الماریں تمھارے چاروں طرف پھیلی ہوئی ہیں۔ ان کو جلا دو۔ ان کتابوں کو دریا برد کر دو۔ یہ غیر الہیٰ کتب تمھارے اور کتاب اللہ کے مضامین و معارف کے مابین ایک بہت بڑا حجاب بلکہ روکاوٹ ہیں۔ یہ وہ تہ در تہہ کثیف بادل ہیں جو شمسِ قرآن کی روشنیوں کو تمہارے قلوب و اذھان میں پہنچنے نہیں دے رہے۔ لہذا انہیں جلد جلا دو اگر تم قرآن پاک کے پاکیزہ علوم و معارف تک رسائی حاصل کرنا چاہتے تو جلدی اس فریضہ سے عہدہ برا ہونے کے لئے کمر بستہ ہو جاؤ"۔

آگے چل کر فرمایا۔

" تم نے کبھی سوچا ہے کہ میں نے آجتک ایک لفظ بھی نہ لکھا ہے نہ کسی کو لکھایا ہے تو سنو میرے نہ لکھنے کا راز یہی ہے کہ پہلوں نے جو کچھ لکھا وہ آج ہمارے لئے مستند ہو چکا ہے اور اسے ہم نے کتاب اللہ پر حاکم و حکمران بنا دیا ہے اب ہم کتاب اللہ کا مطالعہ نہیں کرتے بلکہ کتاب اللہ کی کر تفسیریں شرحیں اور حواشی جو ہمارے بزرگوں نے کتاب اللہ کی تفہیم کے حوالے اور نیت سے لکھے تھے انہیں کو آخری سند مان کر ان کی صرف ورق گردانی کر رہے ہیں۔ جب کوئی بات براہ راست کتاب اللہ سے ہمیں بتادی جائے تو ہم اسے بالکل قبول نہیں کرتے، اگر قرآنی حقائق اور بزرگوں صحائف کے مابین ہمیں ہم آہنگی نظر آتی ہے تو ہم قرآنی حقائق کو قبول کر لیتے ہیں۔ اور اگر ایسا نہ ہو تو ان کے مابین تطبیق و توفیق کی کوشش کرتے ہیں۔ اگر اس کوشش میں بھی کامیاب نہ ہوں تو ہم بزرگوں کے دامن سے وابستگی کا دم بھرتے ہوئے قرآنی حقائق کی تصدیق اور انہیں تسلیم کر لینے کی "ناروا جرأت" کے کبھی مرتکب ہو جانے کا اپنے حیطہ خیال میں تصور بھی نہیں کر سکتے، لہذا میں نے فیصلہ کیا ہے کہ میں مرتے دم تک ایک لفظ بھی نہیں لکھوں گا۔ تاکہ دانستہ یا نادانستہ طور پر میں اس امت کو کتاب اللہ سے دور اور مجھور کرنے والے گروہ میں شمار نہ کیا جاؤں "

بلاغ القرآن:

تو میرے قلم و قرطاس کو چھوڑنے کا یہ دوسرا سبب نہایت قوی ثابت ہوا۔ کیونکہ الخریطہ پڑھ لینے کے باوجود میں قلم و قرطاس کی دنیا سے بالکل الگ نہیں ہو سکا تھا کیونکہ اسے پڑھ لینے کے باوجود میں کچھ مدت تک ماہنامہ بلاغ القرآن لاہور کا ایڈیٹر رہا۔ اور ایک ایک دن میں پورا پرچہ تحریر کر کے اسے

کاتب کے سپرد کر دیتا تھا اور اس طرح لکھتا کہ اول صفحہ سے لیکر آخر صفحہ تک مسلسل و پیہم لکھتا چلا جاتا اور کسی جگہ نہ کوئی لفظ تبدیل کرتا اور نہ ہی کسی حک و اضافہ کی ضرورت سے دوچار ہوتا۔

مشرق ملّی ایڈیشن:

پھر اس کے بعد وہ دور بھی آیا کہ میں نے روزنامہ مشرق کے ملی ایڈیشن میں ہر بدھ کو قرآنی مقالات کے تحریر کے نے کا آغاز کیا اور عرصہ دراز تک یہ روایت قائم رہی کہ ہر بدھ کو ملی ایڈیشن میں میرا قرآنی مقالہ چھپنے لگا۔ یہ قرآنی مقالہ جات تین جلدوں میں بھی چھپ چکے ہیں۔ لیکن ان کی ایک بہت بڑی تعداد مشرق کے صفحات پر چھپنے کے باوجود ابھی تک کتابی صورت میں ظہور پذیر ہونے کی منتظر ہے اس دور میں روزنامہ مشرق کراچی لاہور اور کوئٹہ سب جگہوں سے ہزارہا کی تعداد میں چھپتا تھا۔ اور اس کی کثیرت اشاعت کی وجہ سے مجھے یہ اندیشہ لاحق ہو گیا کہ میں فتنہ شہرت میں مبتلا ہو رہا ہوں، لہذا اس احساس کے آتے ہی میں نے فوراً اس سلسلہ کو بند کر دیا۔ احباب تحریک نے اسے ناپسند کیا لیکن ان کی انتہائی شدید ناراضگی کے باوجود میں اپنے فیصلے پر قائم رہ۔ لہذا صرف مشرق ہی میں نہیں بلکہ شدید ترین تقاضسوں کے باوجود میں نے کسی روزنامے یا ہفت روزے میں بھی کوئی ایک مقالہ بھی نہ لکھا۔

تعمیر انسانیت:

اسی طرح روزنامہ مشرق میں لکھنے کے علاوہ میں نے احباب تحریک کے پر زور مطالبے اور اصرار پر اپنا ایک تحریکی ماہنامہ تعمیر انسانیت کے نام سے نکالا۔ یہ پرچہ میری ادارت میں کم و بیش تین سال تک نکلتا رہا۔ اور میری ادارت سے علیحدگی کے بعد بھی یہ ماہنامہ ایک لمبی مدت تک جاری رہا۔ اس جگہ اس ماہنامہ کے اجراء اور اشاعت پذیر ہونے کا حوالہ اس غرض سے دیا جا رہا ہے کہ الخریطہ اور استاذی المکرم علامہ غلام مرشد مرحوم کے کتابت و اشاعت کے بالکل مخالف نظرایات سے متاثر ہونے کے باوجود میں کچھ نہ کچھ لکھتا تو رہا لیکن حقیقت یہی ہے یہ لکھنا نیم دلی کے ساتھ تھا اس لئے نہ تو یہ قائم رہ سکا اور نہ ہی یہ اس انداز میں ظہور پذیر ہوا جس طرح کہ اسے ظہور پذیر ہونا چاہیے تھا۔

نداء فرقان:

اسی طرح تعمیر انسانیت کے بعد میں نے ماہنامہ ندائے فرقان کا اجرا ے کیا یہ بھی تقریباً دو سال تک نکلتا رہا۔ لیکن اسے بھی وہی سبب متاثر کرتا رہا جو تعمیر انسانیت کے لئے مھلک ثابت ہوا تھا۔ لہذا یہ بھی دو سال سے زائد مدت کے لئے اپنا سلسلہ اشاعت جاری نہ رکھ سکا لیکن بہر حال پرچہ جاری ہوا اور ایک اچھے خاصے حلقہ تک اس نے رسائی حاصل کر لی۔

اشاعت قرآن:

پھر جب اللہ تعالیٰ کی توفیق و عنایت سے ادارہ الفرقان کے لئے ایک چھوٹا سا نشیمن بن چکا تو پھر سلسلہ اشاعت نے دل کی دنیا میں انگڑائیاں لینا شروع کر دیں۔ اور جنوری 2001 سے سلسلہ اشاعت قرآن کا آغاز کر دیا۔ یہ سلسلہ صرف چار اشاعتوں تک جاری رہ سکا۔ لیکن اس نے نہایت قلیل مدت میں اپنا حلقہ اثر قائم کر لیا، قریب تھا کہ یہ سلسلہ پاکستان بھر میں اپنا اعتماد قائم کر لیتا۔

موتیا آپریشن:

لیکن اچانک مجھے سفید موتیا کا جو کہ کم از کم پندرہ سال سے مطالعہ و کتابت کے راستے میں شدید رکاوٹ بنا ہوا تھا، آپریشن کرانا پڑا۔ یہ آپریشن میرے لئے ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے اس آپریشن کی کامیابی نے مجھے اپنے مولیٰ کریم پر زندہ ایمان رکھنے میں کئی نئی نئی سمتوں سے آگاہی بخشی۔ میرے پیدائش سے لیکر ابتک میرے زندگی، اللہ تعالیٰ کی خاص الخاص عنایتوں اور رحمتوں سے مالا مال چلی آرہی ہے۔ لیکن اس آپریشن کی کامیابی نے تو مجھے اپنی فرقانی ذمہ داریوں کے احساس کے حوالے سے دنیاوی و اخروی جو ابدہی کے حوالے سے بالکل ایک نئے ایقان سے ہمکنار کر دیا ہے۔ مجھے صاف نظر آرہا ہے، کہ میرا کریم مولیٰ مجھ سے اپنے ابدی کلام کے حوالے سے تحریری و طباعتی خدمات انجام دلانا چاہتا ہے۔ اسی عظیم خدمت کی انجام دہی کے لئے اس نے محض اپنے فضل و کرم سے میرے لئے ایک ایک ضرورت کو اس طرح فراہم کر دیا ہے کہ اگر اب بھی میں اس خدمت جلیلہ کو انجام دینے کے لئے کمربستہ نہ ہوں تو میرے لئے اپنے رب کے احسانات کی شکر گذاری کے حوالے سے یہ ایک ایسی کوتاہی ہو گی جس کے نتیجہ میں میری اخروی مغفرت کا معاملہ نہایت مخدوش صورت اختیار کر لے گا۔

ٹی بی کا حملہ:

اس آپریشن کی کامیابی سے تقریباً تیس سال قبل جب میں ٹی بی کے حملہ سے مکمل طور پر صحتیاب ہوا تھا۔ اس وقت بھی مجھے یہی احساس ہو رہا تھا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے کسی عظیم خدمت کے لئے حیات نو عطا کی ہے مجھے اول روز ہی سے یہ احساس رہا ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام ابدی و سرمدی کی خدمت کے لئے پیدا کیا ہے۔ میرے پیدائش کا واحد مقصد مشرق و مغرب کی اقوام و جہات میں کتاب الٰہی قرآن پاک کے انوار و تجلیات کی نشر و اشاعت کرنا ہے، اس آپریشن کے بعد جسطرح رب کریم نے مجھے مادی و معنوی نوازشات سے پے در پے نوازا بلکہ نواز رہا ہے

اشاعت قرآن مرکز:

اس ترشح ایزدی نے مجھے یقین دلا دیا ہے کہ مجھے وفات نہیں آئے گی تا نکہ میں کتاب اللہ "قرآن پاک" کے حوالے سے اپنے اشاعتی منصوبوں کی تسوید و کتابت اور طباعت و اشاعت سے فارغ نہ ہو جاؤں اور ایک ایسے عظیم بین لاقوامی ادارے کی جڑ بنیاد نہ ڈال لوں۔ جو میری زندگی میں اور میری زندگی کے بعد صرف پاکستان میں ہی نہیں بلکہ پاکستان سے باہر بھی پوری دنیائے مشرق و غرب میں علوم و معارف قرآنیہ کی دن رات نشر و اشاعت اور ترویج و تنفیذ کی ذمہ داریوں سے عہدہ براہو تا رہے گا۔

یہ سب کچھ میں نے اس لئے تحریر کیا ہے کہ الخریطہ اور استاذ مکرم کے رجحانات کے زیر اثر ہونے کے باوجود قلم و قرطاس سے کلی طور پر قطع تعلق نہیں ہوا تھا۔ تو بھی جو کچھ ہوا وہ چونکہ نہ ہونے کے برابر تھا۔ نیز جو کچھ ہوا وہ نیم دلی کے ساتھ ہوا اس لئے اس کے بارے میں یہی کہا جائے گا کہ وہ نہ ہونے کہ برابر تھا۔

آنکھ کے آپریشن کی کامیابی اور بصارت کے نہایت اعلیٰ شان کے ساتھ واپس آجانے کے بعد مجھے جس یقین کا دن بدن احساس ہوا اس میں ہر لمحہ اضافہ ہوتا چلا گیا۔ پھر دوستوں کا شدید اصرار بھی تھا کہ جب اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے علوم و معارف قرآنیہ کی نعمت عطا ہوئی ہے تو کیوں نہ الٰہی امر کے تحت تحدیث و اشاعت اور اس کا اعلان و منادی کی جائے، نیز اس خیال نے بھی دل میں پوری طرح جڑ پکڑلی کہ الخریطہ کا موقف اور استاذ مکرم کا نقطہ نظر نہایت سلبی و منفی نوعیت کا ہے جس طرح لوہے کو لوہا کاٹتا ہے۔ اسی طرح کتاب اللہ "قرآن پاک" کے نام پر اگر غلط افکار و تصورات وسیع بنیادوں پر پھیلائے جارہے ہیں، تو اس کا حل یہ نہیں ہے کہ ہم اس کے مقابلے میں خاموش تماشائی بنیں رہیں، ایسا کرنا یقیناً مومنانہ و دانشمندانہ اقدام نہیں ہے، لہذا نہایت ضروری ہے کہ باطل کے اس سیلاب بلا نکے سامنے مضبوط بند باندھا جائے اور جس طرح باطل افکار و تصورات طباعت و اشاعت کی دنیا میں نہایت زور دار طریقے سے اپنے لئے میدان پر میدان مار رہے ہیں۔ اس طرح کتاب اللہ "قرآن پاک" کے علوم و معارف کو بھی نہایت پر کشش انداز میں نہایت شاندار طریقے سے ان کی طباعت و اشاعت کے انتظامات کئے جائیں۔ پھر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ الخریطہ کا موقف اور استاذ مکرم کا نقطہ نظر خود کتاب اللہ "قرآن پاک" کے عطا کردہ نقطہ نظر کے حوالئے سے نہایت کمزور ہے۔ وجہ یہ قلم و قرطاس کے فروغ پذیر ہونے کی تو خود کلام الٰہی نے نوع انسانی کو بشارت دی ہے اور اپنی صداقت کے ظہور کے لئے اسے عظیم الشان نشان قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ سورت العلق کے اندر علم بالقلم اور تعلیم بالقلم کو اپنے رب اکرم ہونے کی دلیل کے طور پر پیش فرماتا ہے۔ تو جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے نوع انسانی کے لئے اتنا بڑا اپنا فضل و کرم قرار دیا ہو۔ وہ کم حیثیت یا کم قیمت کی، کیسے ہو سکتی ہے، لازم ہے کہ وہ چیز اپنے مقام و مرتبہ کے حوالے سے نہایت عظیم الشان ہو۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے سورت القلم میں بنی عالمیاں خاتم النبیین محمد کی نبوت رسالت کے لئے قلم اور قلم سے مسطور ہونے والے متقبل کے حقائق کو بطور دلیل یا شہادت پیش فرمایا ہے۔ اگر قلم اور قلمی حاسلات، ترک و احتراز کرنے کے قابل ہوتے تو اللہ تعالیٰ انہیں آپ کی نبوت و رسالت کی صداقت کے لئے بطور گواہ

کیوں پیش کرتے پس قلم اور قلمی حاصلات فتنہ نہیں۔ فتنہ دراصل ان کا غلط اور گمراہ کن استعمال ہے۔ قلم کی حیثیت تو مجرد ایک آلہ کی ہے اصل چیز قلم نہیں بلکہ اس کا استعمال ہے۔ جیسے مثلاً تلوار کہ اگر آپ اسے ظالم کی کلائی مروڑنے کے لئے استعمال کریں تو اس سے زیادہ پسندیدہ کوئی چیز نہیں اور اگر اسے انسانی حقوق کو دبانے اور مظلومین و مستضعفین پر مزید جبر و تشدد کرنے کے لئے استعمال کریں تو اس سے بدتر کوئی چیز نہیں ہے یا مثلاً زبان پر غور کریں اس سے آپ تلاوت کتاب اللہ بھی کر سکتے ہیں اور شہادت کا اقرار بھی، اس صورت میں یہ پسندیدہ ترین چیز ہو گی، لیکن اسی زبان سے آپ غلیظ گالیاں بھی دے سکتے ہیں اور فحش ترین کلام بھی صادر کر سکتے ہیں۔ پس اسی صورت میں یہ زبان ناپسندیدہ ترین چیز قرار پائے گی۔ معلوم ہوا اصل چیز زبان یا تلوار نہیں بلکہ ان کا استعمال ہے۔ پس یہی حال قلم و قرطاس کا ہے۔ لہذا اصل سوال ان کے استعمال کا ہے اگر آپ اسے مطلوبہ الٰہی مقاصد کے لئے استعمال کریں تو اس سے زیادہ پسندیدہ کوئی چیز نہیں اور اگر اسے غلط و فاسد مقاصد کے لئے استعمال کریں۔ تو اس سے بڑھ کر کوئی مکروہ چیز نہیں۔ پس آج کے حالات میں کہ جب چاروں طرف قلم یلغار کرتے ہوئے۔ ابلیس لشکروں کا پشتیبان بن کر سامنے آرہا ہے اور بد سے بدتر مقاصد کے لئے اور ذلیل سے ذلیل اشیاء کی خدمت کے لئے اسے کام میں لایا جارہا ہے۔ بلکہ قومی محاذ سے لیکر بین الاقوامی محاذ تک اسے اسلام کے بلند و بالا نصب العین کے خلاف متحرک کر دیا گیا ہے۔ تو ایسے حالات میں فتنہ کتابت کا پرچار کرنا ایک مجرمانہ فعل ہے۔ اور ایسے حالات میں قلم و قرطاس کے باب میں سلبی و منفی نوعیت کا موقف یا نقطہ نظر اختیار کرنا غیر شعوری طور پر دشمنان اسلام کو تقویت پہچانے کے مترادف ہے لہذا اللہ تعالیٰ نے مجھے توفیق عنایت فرمائی ہے کہ میں ان بزرگوں کے سحر و تقدس کے چنگل سے آزاد ہو کر قلم و قرطاس کے دنگل میں داخل ہو رہا ہوں تاکہ جو کچھ بھی میرے پاس ہے اسے دفاع اور فروغ و اشاعت اسلام و قرآن کے لئے نذر کر دوں۔

ناپختگی کے تضادات:

ایک لمبی مدت تک نہ لکھنے کا ایک بہت بڑا سبب یہ بھی تھا کہ میں نے دیکھا کچھ ایسے مشہور علمائے دین جو خطابت و صحافت اور تحقیق و اجتہاد کے میدانوں میں نہایت ابتدائی ایام عمر ہی سے اپنے علم و فضل کا لوہا ایک دنیا سے منوا چکے ہیں۔ اور جن کے علم و تفقہ کا ایک دنیا میں طوطی بول رہا ہے۔ ان کے ہاں ایک ہی موضوع کے بارے میں اسلامی حوالے سے ایک دوسرے سے بالکل متضاد اور متخالف افکار و آراء پائی جاتی ہیں۔ ایک وقت اور ایک جگہ پر وہ جمہوریت کو قابل تعریف قرار دے رہے ہیں۔ بلکہ اس کے بحالی کے لئے اپنے جسم و جان کی ہر قربانی دے رہے ہیں اور اپنے انفرادی اور اجتماعی وسائل کو اس کی بحالی کے لئے بے دریغ قربان کر رہے ہیں اور ایک دوسرے وقت وہی علماء جمہورت کو کفر و طاغوت قرار دے چکے ہیں کہ جس سے نوع انسانی کو بالعموم اور امت مسلمہ کو بالخصوص نجات دلانا ان کے مشن کا ایک بہت بڑا حصہ ہے، اسی طرح عورت اور اس کے حقوق، اس کی حکمرانی یا نیابت اور اس کے دائرہ کار اور اس کی حدود مراعات جیسے موضوعات پر اس قدر متضاد و تخالف پایا جاتا ہے کہ ان دونوں آراء کے مابین جو اسلام کے نام پر اسلام کی ترجمانی کرتے ہوئے ایک ہی علامے کے قلم سے صدور پذیر ہوئی ہیں۔ انہیں پڑھ کر میں اس منظر کے پسِ منظر کی تلاش میں

گم ہو گیا آخر کار مجھے اس امر کا سراغ مل گیا۔ مجھے اس امر کا سراغ اس میں ملا کہ اس طرح کہ یہ قابل قدر علماے کرام اس طرح کے تضادات میں اس لئے مبتلا ہوئے کہ انہوں نے نو آموزی کے دور میں اور پختگی علم و فکر تک پہنچنے سے پہلے قلم کاری کی مشق شروع کر دی۔ مزید ستم یہ ہوا کہ پر پہنچ کر اسی طرح کی قلم کاری کی یہ تمام کاوشیش وہ ساتھ کے ساتھ شائع بھی کرتے رہے لیکن جیسے جیسے ان علماء میں ذرا پختگی آتی گئی اور دوسرے نقطہ نظر کے دلائل بھی ان کے سامنے آئے تو آہستہ ہستہ ان کے افکار و تصورات میں محسوس یا غیر محسوس طور پر تبدیلی آتی گئی۔ اس تبدیلی نے ان کے افکار و تصورات میں تو اپنے لئے جگہ بنالی لیکن ان فاضل علماے نے زبان سے اس تبدیلی فکر و نظر کا اعتراف نہ کیا بلکہ ایسے کسی اعتراف کو اپنی عظمت و عزیمت کے خلاف گردانا، پس یہاں سے ان کی فکری و نظری پوزیشن کمزور تر ہوتی گئی۔ اس کا اس نوجوان نسل پر نہایت برا اثر ہوا جس میں سوچنے سمجھنے کی صلاحیت موجود تھی۔ اس گروہ نے جو اگرچہ اقلیت میں تھا، اسلام سے انحراف اختیار کر لیا اور خلاف اسلام نظریہ ہائے حیات سے اپنی وابستگی قائم کرلی میں چونکہ فکری و نظری جدوجہد کے دوران ایسے نوجوانوں سے صبح و شام ملتار ہتا تھا۔ لہذا اس صورت احوال نے مجھے انتہائی طور بے چین کئے رکھا۔ اس بے چینی کے ہاتھوں اور ان نوجوانوں کو واپس حصار اسلام میں لانے کے لئے میں نے کئی طرح کے جتن کئے میں کئی ایک ایسے مقامات پر پہنچا کہ جن پر عام حالات میں حاضری کا تصور بھی نہ کر سکتا تھا۔ لیکن افسوس مجھے اس محاذ پر کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ اس کا سبب یہ تھا کہ ان نوجوانوں کا استدلال یہ تھا کہ اسلام متضاد افکار و تصورات کا ایک ایسا ملغوبہ ہے یا اس کی حیثیت مداری کی پٹاری کی سی ہے کہ جس میں جو آدمی چاہے وہ اپنی مرضی اور خواہش کے مطابق نکال سکتا ہے، تو جب اسلام اپنے بنیادی افکار و تصورات کے حوالے سے اپنے اندر تضاد و تخالف سے مالا مال ہے تو اس پر عمل کیسے کیا جائے۔ لہذا اسلام دور حاضر میں عمل کرنے کے قابل نہیں ہے۔ نوجوانوں کے اس نحراف نے میرے اوپر اتنا منفی اثر ڈالا کہ بھوک تک ختم ہو گئی۔ اور آخر کار میں ٹی بی جیسے مھلک مرض میں مبتلا ہو گیا۔ آخر کار مجھے یہ بات سمجھ آئی کہ نوخیز و ناتجربہ کار، نو پختگی کا شکار ان نام نہاد علماء نے اسلام کی خدمت کرنے کی بجائے اس کے راستے میں گڑھے کھودے ہیں۔ کہ جو بھی اسلام کی طرف نہایت ذوق و شوق کے ساتھ آگے بڑھتا ہے وہ ان گڑھوں میں گر گر کر فکری و نظری طور پر تباہ و برباد ہو جاتا ہے۔ میں نے اس تمام صورت احوال سے یہ نتیجہ نکالا کہ یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ ان بزرگوں نے نوجوانی و ناپختگی کے دور میں جو قلمکاری کی ہے اور جسطرح انہوں نے ناپختگی کے دور میں ہر طرح کے پختہ و خام افکر و تصورات کا ملغوبہ تیار کر دیا ہے مجھے اس طرح کی قلمکاری سے کلی طور پر اجتناب کرنا چاہئے۔ مجھے اس وقت لکھنا چاہیئے جب میرے افکار و تصورات میں کامل پختگی آچکی ہو، نا کہ میں اپنی امت کے لئے فتنہ کا باعث بننے کی بجائے اسے اس طرح کے فتنوں سے نکالنے میں اس کا معاون و مددگار بن سکوں

عظیم ابن رشد اندلیسی:

چالیس سال تک ناپختگی کے دور میں، لکھنے لکھانے سے جس دوسری چیز نے مجھے بچایا وہ اندلس کے عظیم فلسفی ابن رشد کی ذات تھی۔ مجھے مولوی فاضل کے دور ان ان کے افکار عالیہ کے مطالعہ کا موقعہ فراہم ہوا۔ ان افکار عالیہ کی وجہ سے ابن رشد کی شخصینت نے مجھے اپنی گرفت میں لے لیا اور

غالباً ابھی تک میں ان کی گرفت میں مبتلا ہوں ان کی شخصیت اور عادات کے تذکرہ کے دوران یہ نظر سے گذار کہ انہوں نے پچپن سال کی عمر تک بالکل نہیں لکھایا، اگر لکھا بھی تو وہ نہ لکھنے کے مترادف تھا۔ پھر چھپن سال سے لیکر آخر عمر تک لکھا اور جو لکھا خوب لکھا اور اس شان سے لکھا کہ جو ایک دفعہ لکھ دیا لوح زمان پر ثبت ہو گیا۔ اب وقت و زمان میں تو حدوث و تغیر ہو سکتا ہے لیکن جو جواہر حکمت ابن رشد کے قلم سے صادر ہو گئے ہیں ان کا حسن و جمال اور کمال و اتقان ابدی ہے پس ان کے اس مطالعہ نے میرے اندر بھی یہ داعیہ پیدا کر دیا کہ پچپن سال تک مطالعہ و مشاھدہ کیا جائے۔ لیکن لکھنے سے کلی اجتناب کیا جائے۔ عالم تنہائی میں مطالعہ و مشاہدہ کے حاصلات کا جائزہ لیا جاتا رہے۔ صحیح و سقیم افکار و تصورات کے مابین فرق و امتیاز قائم کرنے کی کوشش کی جاتی رہی لیکن اس کوشش کو زبانی گفتگو کی صورت میں ہونا چاہیے یا اگر اسے تحریر بھی کیا جائے، تو ان تحریرات کا مقصد اشاعت نہ ہونا چاہیے بلکہ اس کی حیثیت ایک یادداشت کی ہو کہ جسے ایک وقت خاص تک تو محفوظ رکھا جاتا ہے۔ لیکن ضرورت کے پورا ہو جانے کے بعد اسے از خود تلف کر دیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے عہد اسِ پر قائم رہنے کی توفیق عنایت فرمائی اور بے پناہ کٹھن حالات کے باوجود اس عہد کو پورا کرنے کے لئے ناساز گار حالات کے اندر بھی استقامت عطا ہوئی۔ اللہ الحمد للہِ رب العالمین

باب اول

پیدائش

مقام پیدائش:

میرے پیدائش مشرقی پنجاب انڈیا کے ضلع فیروز پور کی تحصیل فاضل کے مشہور و معروف قبیلے سرانواں بودلہ میں ہوئی۔ تاریخ پیدائش اور اس سے متعلق دوسرے مسائل پر گفتگو کرنے سے قبل مقام پیدائش کے بارے میں کچھ گفتگو کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ اور بہت ہے کہ جب 1857 ئکے بعد اہل دہلی اور خاص طور پر علمائے کرام اور مفتیان اعظام پر نہایت تشدد کیا جانے لگا تو بعض خاندانوں نے اجتماعی طور پر دہلی کو چھوڑ کر اس کے گرد و نواح میں کسی غیر معروف مقام پر اجنبی انسانوں کی طرح رہائش اختیار کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس فیصلے کے نتیجے میں صدیقی النسب بودلہ خاندان کچھ متیان کرام کے خاندانوں نے مل کر دہلی کے اطراف و فوانب سے بھاگ کر کہیں دور دراز جا کر کوئی نئی آبادی بسانے کا فیصلہ کیا۔ اس فیصلے کو سن کر بعض بھٹی اور کھرل اور دوسری ذاتوں کے لوگ بھی اس میں شامل ہو گئے۔ اس طرح یہ خانان ایک جگہ سے دوسری جگہ کوچ کرتے کراتے اس مقام پر پہنچے جہاں کا پانی نہایت ٹھنڈا اور شریں تھا اور آب و ہوا دیلی کی آب و ہوا اس سے بڑی حد تک مشابہت رکھتی تھی۔ نیز دہلی سے دور ہونے کی وجہ سے پکڑ دھکڑ کا خطرہ بھی نہایت کم تھا۔ اس طرح اس مقام پر جہاں بہت بڑا پیپل اپنے جلو میں اور چھوٹے چھوٹے پیپل رکھتا تھا وہاں کنواں کھودا گیا پانی نہایت میٹھا اور ٹھنڈا نکلا حتی کہ ارد گرد بہا بھی کوئی کنوں کھودا جاتا اس کا پانی نہایت شیری اور ٹھنڈا نکلتا۔ پس اللہ تعالیٰ کا نام لیکر یہاں پر نئی آبادی قائم

کرنے کا فیصلہ کر لیا گیا۔ اس مقام پر آہستہ آہستہ آبادی اتنی بڑھ گئی کہ اس قصبے میں دس پندرہ مسجدیں تعمیر ہوئیں ان میں ایک مرکزی مسجد میں جمعہ کا اجتماع اور خطبہ شروع ہوا۔ آہستہ آہستہ اس گاؤں میں اتنی کمرکزیت حاصل ہو گئی کہ زندگی کی تمام بنیادی ضروریات حتہ کہ دالیں جوتے بھی یہیں تیار ہو کر روخت ہونے لگا آہستہ آہستہ حکومت مخالف جذبات میں کمی آگئی اور نئے حکمرانوں کی بالا دستی کو عملاً قبول کر لیا گیا۔ پھر جب پنجاب میں نہروں کا جال بچھ گیا تو یہ گاؤں بھی زد پڑ کے مقام سے نکلنے والی نہر سے سیر اب ہونے لگا۔ ڈاکخانہ یہاں بنا پہلے مڈل سکول تھا۔ تقسیم سے قبل ہائی سکول لڑکوں کا اور مڈل سکول لڑکیوں کا منظور ہو چکا تھا۔ سرکاری ہسپتال بھی کام کر رہا تھا۔ اس گوؤں ذیل کے ہیڈ کوارٹر ہونے کا مقام حاصل تھا۔ تقسیم کے وقت اس کی ذیلدار خورشید محمد بودلہ جنہیں علاقے میں نہایت عزت و توقیر حاصل تھی ارد گرد دیہات پر اس گاؤں کی ایک مرکزی اہمیت حاصل تھی۔

میرا خاندان:

جہاں تک میرے خاندان کے بارے میں سوال ہے کہ یہ یہاں پر کہاں سے آیا۔ تو اس کے بارے میں اور بات مختلف ہے ایک اور بات یہ ہے کہ اس کا نکاس یا نکال واخر اچاڈلی مشائخ سے ہوا ہے ایک دوری روایت ہے کہ ریاست بہاول پور میں ایک مقام کھاٹی ہے میرے اکابر بودلہ خاندان کے ساتھ کھاٹی سے شامل ہوئے تھا۔۔ بہر حال روایت پہلی صحیح ہو یا دوسری سرانواں بودلہ کی ابتدائی آبادکاری کے عمل میں ہمارے آبائے واجداد براہ راست شریک تھا۔۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ گروہ علمائے میں سے ہونے کی وجہ سے ابھی تک ان کے قلوب و اذہان پر انگریز حکومت کا جبر و تشدد نہایت خوفناک انداز میں اثر انداز چلا آرہا تھا۔ اس کا ایک ثبوت یہ ہے کہ جب پنجاب نہری نظام آگیا اور انگریز نے لوگو کو آبپاسی کے لئے زمینیں آلاٹ کرنا شروع کر دیں اور اسی طرح الاٹی حضرات کا ریکارڈ سرکار دربار میں محفوظ رکھنے کا فیصلہ ہوا تو ہمارے جد اعلیٰ کو جو اسی گاؤں کے علاوہ دیگر دیہات میں بھی نرمی کے حوالے سے نہایت عزت و احترام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے انہیں گورنمٹ نے زمین آلات کرنے کا فیصلہ کیا۔ لیکن انہوں نے سالکانہ حیثیت میں نہ لینے اور سرکار دربار میں اپنا اور اپنے خاندان کے افراد کا اندراج کرنے سے صاف انکار کر دیا جب انگریز حکومت کے نمائندے نے بہت اصرار کیا تو بس اتنا کہا کے آپ جتنی زمینیں الاٹ کرنا چاہتے ہیں وہ بودلہ خاندان ہی کو الاٹ کرین ہمیں جتنی ضرورت ہو گی وہ ہم ان سے مستعار لے لیں گے۔ پتہ یہ چلتا ہے کہ انکا موقف یہ تھا کہ براہ راست طاگی حکومت کا معاون کا کی بجائے کی مسل حکمران کے ماتحت زندگی گذارنا زیادہ بہتر ہے۔ انگریز کے جبر و تشدد کا قلوب و اذھان میں کتنا گہرا اثر تھا۔ اس کا دوسرا ثبوت یہ ہے کہ یاد جو دیکھ قیام پاکستان کے وقت تک کئے نسلیں پیدا ہو چکی تھیں اور کئی نسلوں سے براہ راست انگریز کا جبر و تشدد بروئے کار نہیں لایا جارہا تھا۔ تو بھی حکومت برطانیہ کے سابقہ جبر و تشدد کے بارے میں جو حکایتیں اور روایات بڑوں سے سن رکھی تھیاں ان کا یہ اثر تھا کہ جب ہم مشرقی پنجاب سے مغربی پنجاب کی طرف پاکستان میں ہجرت کر کے داخل ہوئے تو ہمارے اکابر کی انتہائی کوشش ہوتی کہ کسی شہر کے اندر داخل نہ ہوں حالانکہ بڑے بڑے شہر ہوں میں بے شمار مسجدیں اور مدارس

موجود تھے یاان کے بنانے اور آباد کرنے کے لئے بے پناہ مواقع موجود تھے اور ہمارے خاندان کے اکابر میں دارالعلوم دیوبند اور دہلی کے دارالعلوم امیو اور دارلاعلوم عبد الالرب سے سندیں حاصل کر چکے اور اصحاب فضیلت کامل تھے۔ لیکن شہروں کے اندر داخل ہونے کی انہیں جرأت نہ ہوئی۔ ایک دوسرے کو یہی تلقین کر رہا تھا کہ نہیں بھائی نہیں شہروں میں داخل نہیں ہوگے ہماری وضع قطع ہی مولویانہ نہیں بلکہ ہم واقعی مفتی قاضی اور موسی ہیں۔ ہمیں پولیس دیکھتے ہی گرفتار کرلے گی۔ غرضیکہ میرا خاندان مفتیوں اور قاضیوں کا خاندان تھا اور ہے تضاد و امامت نہ معلوم کتنے زمانیوں سے ہمارے خاندان کے اندر جڑیں جماچکی ہے۔ ابھی تک ہمارے خاندانن کی غالب تعداد ابھی یہی پیشہ اختیار کیئے ہوئے ہے۔

میرے قریبی بزرگ:

میرے بزرگ خاندانی طور پر بے شمار میں اے کا تذکرہ کرنے بیٹھ گئے تو اپنی کے حوالے سے کئی ایک تصنیفات میں سوجود میں اجائیں گی۔ اس لئے ان سے صرف نظر کرتے ہوئے میں اپنے قریب ترین اجاد میں نانانانی اور دادادادی سے اپنی اس گفتگواک آغاز کرناچاہوں گا۔

ناناجی، نانی جی:

میرے ناناجی علامہ عبدالعزیزؒ کے تین بھائی تھا۔ عبدالعزیز، عبدالمجید اور جنۃ اللہ ان کے والک یعنی میرے پڑنانا اور پڑدادا بھی علامہ حکیم قادر بخشؒ تھے۔ علامہ حکیم قادر بخش اپنے وقت کے بہت بڑے علامہ تے۔ بلکہ اپنے وقت کے بہت بڑے حکیم وطبیب بھی تھے۔ بلکہ ایک متواتر روایت کی روسے جنات آپ کے مسخر تھے۔ اور جنات کی ایک کثیر تعداد اسلام کے اصول وضوابط کا علم حاصل کرنے کے لئے ہر وقت ان کی مسجد اور مطب میں ڈیرہ ڈالے رکھتی تھی۔ شنور تھا آپ سے جناب اپنا نکاح پڑھواتے وقت اور نماز جنازہ میں پنی سے امانت کرنے کا مطالبہ کیا کرتے تھے آپ بے پناہ علم و حکمت کے ساتھ ساتھ اپنادرچ کے سخی تھے سخاوت کا یہ عالم تھا کہ جو کچھ پاس ہوتا کسی سائل کو دے دیتے بلکہ اکثر اوقات خالی ہاتھ آنے والوں قرض لیکر یا ان کا ضامن بن کر انہی کچھ نہ کچھ دیکر واپس نہ لیتے مطب میں دائم المرض مریض علاج کرانے کے لئے مستقل رہائش اختیار کرتے ان کا دوا اور بھی مفت ہی ہوتا تھا۔ بلکہ اپنی قیام وطعام بھی اپنے ہاں سے عطا فرماتے جتنا پیسہ عامل مائل حصد یا کی صورتوں میں شاگردون دوستوں عقید مندوں کی طرف سے ملتا اسے جوراًحاجتمندوں میں تقسیم کر دیتے اور اپنے یا اپنے اہل وعیال کے لئے اس میں سے کوئی ایک پائی ذخیرہ نہ کرتے اس کا نتیجہ یہ نکالا کہ جب آپ کا اشتعال ہوتو آپ کئی لوگوں کا قرض نکلا۔ آپ کی نماز جنازہ کے وقت آپ کے نکتہ چینوں نے یہ نکتہ نکالا کہ مولانا کہ نماز جنازہ اس وقت تک نہ پٹھنا چاہیئے جب تک کہ وہ تمام قرض جو ان کے ذمہ واجب الاداہے وہ ادانہ ہو جائے۔ بات بڑی واضح ہے کہ اتنے بڑے قرض کی ادائیگی کا فوراً انتظام کر سکنا ناممکن تھا اور وہ بھی بالخصوص اس صورت میں آپ کے تینوں بیٹے ابھی تک نابالغ تھے۔ میرے نانا جو اپنے تمام بہن بھائیوں میں بڑے تھا۔ وہ بھی ابھی فارغ التحصیل ہوکر عملی زندگی میں شامل نہ ہوئے تھا۔ اور نہ ہی ان کی ابھی شادی ہوئی تھی۔ اور نہ ہی ابھی تک لوگوں میں ان کا کوئی اتنا اعتبار تھا کہ وہ فوراً قرض لیکر اس قرض کی ادائیگی کی کوئی صورت پیدا کس سکتے۔ بہر حال اس وقت جنازہ گاہ میں پڑناناجی جنازہ پڑا تھاناناجی فی البدیھ پہلی

تقریر فرمائی۔ آپ نے فرمایا کہ ہمارے والد بحمد اللہ کے ولد نہیں مرے میں اپنے بھائیوں اور خاندان کی طرف سے اعلان کرتا ہوں کہ ہم چھ دن کے اندر قرض خواہوں کی پائی پائی ادا کر دیں گے۔ لوگوں کی اکثریت جانتی تھی کہ اس قرض کی نوعیت اس حوالے سے ذاتی نہ تھی کہ یہ قرض لینے والے نے اپنی ذات پر خرچ کیا ہو۔ بلکہ یہ قرض دوسروں پر خرچ کیا گیا یا دوسروں کے قرض کے لئے ضمانت دی گئی نکتہ چینوں کی اس تقریر کے بعد خوب زبان بندی ہوئی سب نے مرحبا مرحبا کہا پر اس طرح پڑنانا جی کی نامز جنازہ ادا کی گئی نہایت عزت و احترام کے ساتھ ان کی تجہیز و تکفین اختتام پذیر ہو گئی۔ پڑنانا جی کی وفات کے بعد خاندان کی سربراہی کا شرف و اعزاز میرے نانا جی یعنی علامہ حکیم عبد العزیزؒ کو حاصل ہو اب ہم دیکھیں گے انہوں نے اس منصب کی ذمہ داریوں کو کس عمدگی سے ادا کیا۔ نوٹ میرے پڑنانا جی کی شادی کا واقعہ بھی تحریر کر دینا عبرت سے خالی نہیں دادا جی فرمایا کرتے تھا۔ کہ ان کے والد صاحب جب پڑھا کرتے تھے تو ابھی شادی نہیں ہوئی تھی شادی اس طرح ہوئی کہ ضلع حصار کے حقہ اومنصال کے ایک بہت بڑے عالم دین۔ جن کا بقیہ خاندان علم و حکمت سے کوسوں دور تھا اور صرف انہیں نے اپنی ذاتی جدوجہد اور محنت سے علم دین حاصل کیا تھا ان کے ہاں اللہ تعالیٰ کی میشت یہ ہوئی کہ اولاد زینہ نہ ہوئی جو بھی پیدائش ہوئی وہ جن اثاث پر مشتمل تھی آپ نے ان تمام بچیوں نہایت علم و فضل سے آراست کیا ان کے خاندانی رشتہ دار جو غالباً چرواہ تھے۔ اور علم و فضل سے ان کا کوئی ادنیٰ ترین تعلق بھی نہ تھا ان کی خواہش تھی کہ ان بچیوں کے رشتے ان کے بچوں سے ہوں۔ اب اس ابتلاے سے نکلنے کے لئے آپ نے اپنے اہل و عیال اور ماحول و خاندان سے کلی طور پر ہجرت کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ لیکن اس فیصلے پر عمل در آمد کرنے کے لئے اپنے گاؤں کرنے سے قبل مناسب پر تلاش کرنے کے مرحلہ کا آغاز کیا۔ اس مرحلہ وار سفر کا ایک پڑاؤ ہمارے گوؤں میں آپڑا انہیں ہمارے خاندان کے علم و فضل کی خبر پہنچی آپ تحقیق حال کے لئے ہمارے گاؤں پہنچے ہمارے نانا جی کے بڑے بھائی علامہ اللہ یا جو اپنے وقت تک بہت بڑے عالم دین اور حکیم و طبیب بھی تھے۔ ان سے یہ بزرگ ملے انہیں دیکھ کر انہوں نے رشتہ کی پیشکش فرمائی ہمارے بزرگوں نے فرمایا آپ جن اسلامی جذبہ کے تحت تشریف لائے ہیں۔ اسے قبول نہ کرنا اور اس طرح اس کی قدر افزائی نہ کرنا غیر اسلامی فعل ہی نہیں۔ بلکیہ نہایت کمینہ پن ہے۔ لہکن بت اتنی ہے کہ آپنے مجھے دیکھا ہے لیکن رشتہ آپ میرے بھائی کے لئے لائے ہیں جو غائب ہے لہذا مناسب ہو گا کہ آپ اسے دیکھ لیں اس کی صورت یہ ہے کہ میں آپکو اپنے بھائی کے نام رقعہ لکھ دیتا ہوں وہ قریب ہی منڈی ابھور کے دینی مدرسہ میں آخری سال کے طالبعلم ہیں۔ آپ ان کے پاس جائیں ان کے اساتذہ اور رفقاء سے اس کے کے متعلق رائے معلوم کریں یہ صورت زیادہ بہتر ہو گی آنے والے بزرگ بہت ہی زیادہ خوش ہوے۔ فرمانے لگے دیجیے رقعہ میں ابھی انیں ملنے کے لئے اور نہ ہونا چاہتا ہوں آپ نے فرمایا نہیں ایسا نہیں ہو سکتا اتنے لمبے پر صعوبت سفر سے آپ آج ہی تشریف لائے ہیں۔ جبتک آپ تکان دور نہ ہو جائے اس وقت تک میں اگلے سفر پر روانگی کی آپکو اجازت نہیں دے سکتا۔ امر مجبوری ہمارے یہ بزرگ دو تین دن قیام کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ اسی اثناے میں علامہ اللہ یار صاحب نے ایک تیز رفتار اپنے حیوئے بھیا یعنی علامہ قادر بخش کی خدمت میں بھیجا جس کے ہاتھ جو رقعہ بیجا اس میں تحریر تھا کہ اسی طرھ ایک علامہ صاحب تمہیں ملنے کے لئے آرہے ہیں۔ وہ شادی کا پیغام تجھے دے دیں اگرچہ ہم نے ان کی بیٹی کو تو نہیں دیکھا لیکن جس جذبہ اسلامی کے ساتھ وہ خلوص و اخلاص کے ستھ ہمارے پاس آئے ہیں اس کا تقاضا ہے کہ

اس پیغام کو قبول کرلا۔ فرمایا اگر میں تمہاری جگہ ہوتا تو اس رشتہ کو ضرور قبول کر لیتا۔ بہر حال آخری اختیار تو تمہارے ہی ہاتھ میں ہے لیکن میں نے بطور بڑے بھائی کے اپنا حق نصیحت اور مشورہ ادا کنا تھا سہ کر دیا ہے ہاں ایک اور بات ذہن میں رکھ لو جس علاقے سے یہ آئے ہیں۔ ہو کستا ہے اس علاقے کی تاثیر جغرافیائی کے تحت بچی کا رنگ سانولا ہو اور وہ تمہاری طرح گوری چٹی نہ وہ تو رشتہ کے دوران میرے نزدیک رنگ کو اتنی اہمیت حاصل نہیں ہونی چاہیئے اصل چیز خاندانی وحاجت اور علم وفضل اور سیت وکردار ہے اور یہ چیزیں ان کی والک گرامی قدر کے چہرہ پر انوار سے پوری طرح عیاں ہیں۔ میں دیکھتا ہوں کہ اگر تم نے یہ رشتہ قبول کر لیا تو اللہ تعالیٰ تمیں ایسے اولاد ذکی عطا فرمائے گا جو علما وفضلا اور صوفیاے پر مشتمل ہ گی۔ اور کیا عجب ان کے ی آنے والی ذریت سے ہمارے خاندان میں علم وفضلیت کے ایک نئے باب کا آغاز ہو۔ جونہی وہ قاصد پیغام دیکر واپس آیا علامہ اللہ یانے ان بزرگ سے فرمایا مولانا جب آپ کا دل یہاں سے روانگی کا تقاضا کرے اسی وقت ہم آپکی روانگی کا انتظام فرمادیں گے انہیوں نے ٹھیک ہے تو کل نماز فجر کے بعد روانگی ہو جائے فرمایا بالکل مناسب ہے اگلے دن آپنے اس قاصد کے ساتھ سواری کا انتظام کر کے انہیں منڈی لاہور بیج دیا۔ جب آنے والے بزرگ نے انہیں دیکھا تو انہیں ان کے بڑے بھائی کا بالک شبیہ پایا۔ انہوں نے انہین رقعہ دکھایا انہوں نے عرض کیا میرے بڑے بھای میرے لئے ماں باپ کے قائم مقام ہیں جو ان کا ارشاد ہے وہ میرے لئے واجب التعمیل حکم کی حیثیت رکھتا ہے۔ میں اپنے بڑے بھائی کو اپنے باپ علامہ خدا بخش کا قائم مقام سمجھتا ہوں۔ ھقیقت یہ ہے کہ مجھے میرے بڑے بھائی والد صاحب کی وفات کے بعد یتیمی کا احساس نہیں ہونے دیا۔ میرا ہر مطالبہ میرے ی فرمائش کے بغیر انہیں نے از خود پورا کیا ہے۔ لہذا ان کا مشورہ میرے لئے حکم کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کے اور آنے والے بزرگ نے ان کے بارے میں ان کے اساتذہ اور رفقاے سے رائے لی سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ یہ مولوی صاحب انسان نہیں فرشتے ہیں۔ خوش خصال نیک اطوار حن کامل اور علوم وفنون کے حصول کے لئے دن رات مشغول رہتے ہیں اساتذہ ان سے خوش اور ان کے رفقاے ان کا استذہ کی طرح احترام کرتے ہیں۔ اس رائے کے سامنے آجانئے کے بعد گویا ریجاب وقبول کا مرحلہ طے پا گای۔ رخصتی باقی رہ گئی اور یہ بزرگ چاہتے تھے کہ وہ اس فریضہ سے سبکدوش ہو جائیں تا کہ خاندانی ابتلاء کا مرحلہ اپنے اختتام کو پہنیچ جائے۔ لہذا وہ ضلع حصار جانے اور نہ ہونے سے پہلے دوبارہ قاصدی کے ساتھ سرانواں بدلہ تشریف لے آئے۔ علامہ اللہ یار نے انہیں دوبارہ اپنے ہاں پا کر خوش گوار حیرت کا اظہار فرمایا۔ انہں نے فرمایا بھائی فریقین نے ایک دوسرے کو قبول کر لیا ہے اب صرف رخصتی کا مرحلہ رہ گیا ہے۔ میں کافی بوڑھا ہو چکا ہوں، عمر ناپائیدار کا کچھ اعتبار نہیں لہذا چاہتا ہوں کہ جلد از جلد اس فریضہ سے عہدہ برا ہو جاؤں۔ لہذا اس میں دوبارہ واپس اس لئے آیا ہوں کہ ہم رخصتی کے دن کا تعین کر لیں۔ علامہ صاحب اتنی بھی کیا جلدی ہے رخصتی ہو جائے گی۔ دو چار ماہ کا توقف فرمائیں تا کہ کچھ لوازمات کا انتظام کر لیا جائے آپ نے فرمایا تھا کہ میں نے دیکھا ہے آپ کے پاس مکانات کی نہیں۔ اگر وہ علیحدہ ہو کر رہنا چاہیں تو ان کے لئے آج ہی علیحدہ مکان کا انتظام ہو سکتا ہے بچہ اگر اس سال پڑھتا ہی رہے تا کہ وہ دورہ حدیث کی تکمیل کر لے تو وہ ہر ہفتے چھٹی کے بعد گھر آسکتا ہے کیونکہ گھر اور مدرہ کے مابین کوئی زیادہ فاصلہ حائل نہیں ہے۔ جس طرح کا کاروبار آپ کے ہاں میں نے دیکھا ہے اس کی روشن میں میرے لئے یہ فیصلہ کرنا کچھ مشکل نہیں کہ میرے ی بیٹی اگر یہاں آگئی تو اس کے لئے دو وقت کی روٹی کا انتظام ہو گا یا نہیں اور سال میں دو جھوڑلے

سرما گرما کے حوالے سے اسے مثیر آئیں گے یا نہیں یہ چیز اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ صاف نظر آرہی ہے لہذا دن کا تعین فرمادیں۔ آخر کار ان کی اس پیشکش علامہ اللہ یار نے بخوشی قبول فرمالیا۔ آنے والے مہمان نے میزبان کو اپنی پتہ بمعہ قریبی والجہیری علامات کے بمعہ راستے کی تفصیلات کے اچھی طرح نقشہ بنا کر سمجھا دیا اگلے دن ان کی گاؤں سے رخصتیہ ہوئی اور ٹھیک دس پندرہ دن کے بعد علامہ قادر بخش کی برات بیل گاڑیوں پر روانہ ہوگئی۔ دو دن لگا تار دن رات چلنتے رہنے کے بعد منھال پہنچے اور دو دن واپس پر لگ گئے علامہ قادر بخش کا جس عالم و فاضل خاتون سے نکاح ہوا ان کا نام نامی نور بھری تھا وہ یقیناً سراپا نور تھی۔ نو سیرت کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے نقش و نگار کے حسن و جمال سے بھی کافی حصہ عطاء فرمایا تھا۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ وہ خاوند کے لئے اعتماد اور بھروسہ کا بہترین ذریوہ تھیں۔ تو اد ولاد کے لئے بہترین مبیہ اور رگھر بار کے انتظام و اہتمام کے لئے بہترین منتظمہ تھیں۔ شادی ہو جانے کے بعد اماں نور بھری کے والد محترم وقفہ وقفہ سے آتے رہے ایک دفعہ جب رخصت ہونے لگے تو فرمایا بیٹی نور بھری اب میں بہت بوڑھا ہو گیا ہوں اس بار کے بعد میں شائد ہی دوبارہ تمہارے پاس آسکوں تمہیں اور تمہاری آل اولاد کو سپرد خدا کرتا ہوں۔ امید رکھتا ہوں کہ میرا کریم و رحیم مولا تجھے اور تیری آل اولاد کو متبع تر ہونے دیگا۔ بیٹیاں کلمات کو سن کر آبدیدہ ہوگئی۔ باپ بیٹی دونوں رضائے الٰہی کے سامنے سِتسلیم خم کئے ہوئے تھے۔ بیٹی نے عرض کیا ابا جان جیسے اللہ عالی کی مرضی۔ آپ ہمیں سپرد خدا کر دیجئے میں بمعہ اپنی آل و اولاد کے راضی براضائے الٰہیٰ ہوں۔ میثیت و مرضی مولیٰ کے خلاف شکوہ و شکائت کا طرز عمل اللہ شاد اللہ علم سے سرزد نہ ہو گا۔ پھر عجیب بات یہ ہوئی کہ بیٹی نے باپ سے عرض کیا۔ اگر آپ اجازت دیں تو ایک گستاخی کر لوں۔ فرمیا وہ کیا عرض کیا کہ سب ایک مٹی کے دورے یا پرات میں ریت ڈال لاتیہ ہوں آپ اس پر اپنا پاو،ں مبارک رکھ دیں جب کبھی آپ کی یاد ستائے بے چین کر دے گی تو اس مٹی کو دیکھ کر دل کو تسکین دے لیا کروں گی۔ والد صاحب اس کی اجازت دی کہتے ہیں کہ وہ پاوں کا نشان رات کو پٹی پر عرصی دراز تک قائم رہا۔ ہماری اماں جاں جور بھری کا انداز تربیت یہ تھا کہ جب وہ روٹی پکاتیں تو اپنے بیٹیوں کو باری باری چولہے میں آگ جلالے یا بامیرے ایندھن نذنے کا حکم دیتیں۔ فرمایا کرتیں اس طرح اپنا بوجھ اٹھانے اور ایک دوسرے کے ساتھ بوجھ بانٹنے کی عادت پڑتی ہے۔ تیز آپ ایسا فرماتیں کہ جب تک روٹیا اور سالن تیار نہ ہو جاتا تو اس وقت تک الگ روٹی کھانے کی اجازت نہ دیتیں ہاں کوئی بیمار ہو یا کوئی ناگزیر ضرورت ہو تو بات دسسری ہے۔ سرنہ آپ کا معمول یہی تھا اس طرح اعلاد کے لئے لازم تھا کہ وہ موسم کے مطابق ایلی چار چار روٹیاں ادھر یا باہر خود نکالیں۔ اپنے بستر خود بچھائیں اور خود لپیٹیں اور حکم تھا کہ اپنے بستروں کو بچھانے سے پہلے تین چار دفعہ خوب اچھی طرح چھار کیا کریں۔ ایک عجیب بات یہ ہے کہ اماں جی قرض لینے کے بالکل خلاف تھیں۔ آپ فرمایا کرتی تھیں۔ قرض لینا یا دینا دوستی کو ختم کر دیتا ہے۔ آدمی کی کوشش یہ ہونی چاہیئے کہ جہاں تک ہو سکے قرض مت لے اور اگر لینا ناغزیر ہو جائے تو بس اتنا ہی لے جتنا لینا ناگزیر ہو۔ ناگزیر سے ایک دو دمڑی بھی ذیادہ نہ لے۔ اور جب ناگزیر ضرورت کے تحت لے لے تو جبتک ایک ایک پائی ادا نہ کر لے۔ اس وقت تک اسے چین سے نہیں۔ بیٹھنا چاہیئے۔ جب قرض لے لے تو اس سے رہائی پانے کی ہر وقت دعا کرتا رہا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا رہے۔ کہ وہ جلد اسے اس سے رہائی پانے کی توفیق عنایت فرمائے۔ اس حوالہ سے میں بیوی کے مابین بنیادی ہم آہنگی ہونے کے بوجود عملی حوالے سے بعد المشرتین پایا جاتا تھا۔ بیوی کا خیال تھا کہ قرض بالکل نہیں لینا چاہیئے اور ضامن کی

بھی نہیں بننا چاہیے۔ کیونکہ اگر جن کا ہم ضامن بنیں اگر وہ ادائیگی نہ کرے گا تو سہ رستی یا الا بلکد ہمرے گلے میں پڑ جائیگا۔ لہذا ہمیں قرض لینے اور ضامن بننے سے بالکل الگ تھلگ رہنا چاہیے۔ خاوند کا کہنا تھا کہ جہاں تک میرے ذات کا تعلق ہے میں تمہارے ساتھ سو فیصد متفق ہوں۔ لیکن بعض اوقات اجتماعی حوالے سے ایسے حالات اور اشخاص سامنے آجاتے ہیں۔ جن کے لئے نہ صرف قرض لینا ضروری ہو جاتا ہے۔ بلکہ بوقت ضرورت ان کا ضامن بننا ہی ناگزیر ہو جات ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ نانا جی قادر بخش پنجابی زبان کے قادر الکلام شاعر تھا۔ آپ نے اسلامی موضوعات پر پنجابی میں شعری زبان میں ایک عظیم اشان کتاب سراج الاسلام کے نام سے تصنیف فرمائی ہے۔ یہ کتاب 9471 تک ہماری کتابخانہ عزیزیہ میں موجود تھی تقسیم ہند کے بعد وہ تمام کتب خانہ ہندوستان رہ گیا۔ معلوم نہیں ان نوادرات علم و فن کے ساتھ کیسی بنی۔ چونکہ شاعر ذکی الحس ہوتا ہے۔ لیکن وہ اپنے انبائے نوع اور بھائی بندوں کی تکلیفوں اور مصیبتوں کو دیکھ کر شدید طور پر متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ یہ وجہ ہے بابا جی قادر بخش دوسروں کو مصائب و آلام میں دیکھ کر حتی الامکان ان کی خدمت اور ان کے ساتھ تعاون کرنے کے لئے اپنے آپکو مجور پاتا تھے۔ غرضیکہ اس حوالے وے تو میں بیوی کے مابین بید المشرقین تھا اور وہ آخر تک رہ۔ لیکن جاں تک انرونی معاملات کو چلانے اور اولاد کی علمی و اخلاقی ایمانی و علمی تربیت کرنے کا سوال تھا اس میں ذرہ برابر اختلاب نہ تھا۔ لیکن جیسے پہلے مذکور ہو چکا ہے۔ بابا جی قادر بخس کا جب انتقال ہو تو بچے اپنے پاو،ں پر کھڑے نہ ہوئے تھے۔ بلکہ بڑا بیٹا یعنی بابا جی عبد العزیز بھی اپنی فارغ التحصیل نہ ہوئے تھے۔ کہ بابا جی کا انتقال ہو گیا۔ اور اوپر سے ان کے ذمے بہت سا قرض نکلا اور جن لوگوں کی ضمانتیں دیں تھیں اور انہوں نے انہیں اور نہ کیا تھا ان ضمانتوں کا بوجھ بھی قرض کے بوجھ سے کم نہ تھا۔ لیکن اماں جی جسطرح اپنے خاوند کے نام پر آپڑنے در بوجھ خندہ پیشانی سے قبول کیا اور جس طرح اپنی اولاد کو عزم و ہمت سے کام لینے پر ابھار ا اور انہیں کا حصہ تھا۔ جس طرح پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ کہ اماں جی کا اصول حیات یہ تھا کہ قرض بالکل نہ لیا جائے۔ لیکن اگر لینا ناگذیر ہو جئے تو اس کی ایک ایک پائی ادا کی جائے۔ اور اس کی ادائیگی کے لئے ہر نامز میں اللہ تعالیٰ سے پوری دلسوزی پوری ع عاجزی سے دائیں مانی جائیں کہ اللہ تعالیٰ جلد اس قرض کے بوجھ سے رہانی عطا فرمائیں گے۔

قرض دار ضمانتی ذمہ داروں سے رہا کی تدابیر:

جب بابا جی قادر بخش کی نماز جنازہ ہو چکی اور تجہیز و تکفین کے مراحل نہایت خوبی و سلامتی کے ساتھ ادا ہو چکے تو اماں جی نور بھری نے اپنے بچوں کو اپنے پاس جمع فرمایا اور ان سے اس طرح خطاب فرمایا۔

" $میرے پیارے بچو! تمہارے والد عظیم تھے وہ انسانیت کے نہایت اعلیٰ درجے کے خادم تھے وہ خدمت انسانیت پر ایسا یقین کامل رکھتے تھے کہ اس کے لئے وہ قرض لینے سے بھی نہیں چوکتے تھے۔ انہوں نے کبھی حکمت یا طبابت کا کوئی ایک پیسہ طبہور اجرت قبول نہیں کیا۔ انہوں نے اس سلسلہ میں جو بھی خدمات انجام دیں وہ فی سبیل اللہ تھیں میں ذاتی طور پر جانتی ہوں ان کے عقید مندں کا ایک وسیع سلسہ تھا۔ ہزار ہا مرد و خواتین ان ے سے ارادت رکھتے تھے اگر وہ چاہتے تو بہت کچھ کما سکتے تھے اور تمہارے لئے بہت کچھ پس انداز کے طور پر چھوڑ سکتے تھے۔ انہوں نے اپنے بعد

تمہارے لئے زر اویم میں سے ہوئی کوڑی بھی نہیں چھوڑی کیونکہ ان کا یمان تھا کہ اگر اولاد صالح ہے تو تکفیل رحمن خود کرے گا ور اگر اولاد عیاش اور فضول خرچ ہے تو اس کے لئے مال و دولت چھوڑ نا مثیت کا مرتکب ہونا ہے۔ ان کا تمہارے بارے میں گمان تھا کہ تم صالح اولاد ہو۔ بس اس گمان کو سچا کر دکھاؤ۔ اپنی صالحیت وصلاحیت کا ثبوت فراہم کر دو۔ پوری دنا کو دکھادو کہ تم ایک رجل صالح کی اولاد ہو تم اپنے کردار سے اپنے سپوت ہونے کا دنیا کو مشاہدہ کراؤ دنیا تمہر اے اعمال و کردار کو دیکھ شہادت دے کہ تم واقعی سپوت ہو نہ کہ کپوت یا صرف پوت، ہاں بیٹے عبد العزیز تم سب سے بڑے ہو بتاؤ تم نے اپن ے باپ کے بعد کی ذمہ داریوں سے عہدہ برے ہونے کے لئے کیا سوچا ہے۔؟"

عبد العزیز:"اماں جان! یہ صدمہ اس قدر اچانک پہنچا ہے کہ کبھی ابا جان کی وفات کا خیال ہی دل میں نہیں آیا تھا۔ ان کے ہوتے ہوئے کبھی گمان ہی نہیں ہو تھا کہ ابا جان ہم سے جدا ہوئیں گے۔ اس شجرہ لموی کو میں نے ایک سدا بہار درخت گمان کر تھا تھا۔ لیکن اچانک ان کی وفات نے مجھے مبہوت و مدہوش کر دیا ہے۔ ابھی پرسوں تو وہ اپنے مطب میں بیٹھے مریضوں کا علاج اور اپنے ارادت مندوں کے سوالات تفاسرت کے جوابات دے رہے تھے۔ آج ان کو دفن کرنے کے بعد پوری دنا ہی میرے لئے انجان و انجبی ہو گئی ہے۔ باوجود یہ کہ اپنی ھنوں مٹی کے نیچے جسم دفن کر کے آئے ہیں۔ لیکن مجھے ابھی تک ان کی وفات کا یقین نہیں آرہا لیکن بہر حال مجھے یہ یقین کرنا ہی ہو گا۔ کہ وہ ہم سے جدا ہو چکے ہیں۔ وہ یقیناً آتے ہیں۔ مشرۃ طولیٰ تھے۔ جو سدا بہار ہوتا ہے لیکن ان کی اسداری کیاری ہماری مشک وصورت میں ہے۔ انشاے اللہ ہم تمام بھائی اور ہماری ہونے والی آل اولاد ہمارے عظیم بام کی خدمتوں کو زندہ رکھے گی۔ اللہ تعالیٰ کے دنیا کا جھنڈا ہم سب بلند رکھیں گے۔ اور ہمارے بعد بھی اس اللہ تعالیٰ سے امید رکھتا ہوں۔ اسداد سلسلہ عمل جاری رہے گا۔" باباجی عبد العزیز یہ بیان کر کے اپنے عظیم والد کو یاد کر کر کے رونے لگے تو اماں جی نے فرمایا: "بیٹا بڑوں کو یاد کر کے رویا نہیں کرتے۔ سیسے تم بڑے بھائی ہو اگر تم رودو گے تو چھوٹوں کا کیا بنے گا۔ تمہارا مقام دلاسہ دینے والے کا ہے چھوٹے روئیں تو تم دلاسا دو اگر تم ہی زار و قطار رونا شرع کر دو گے تو ہمیں دلاسا کون دے گا۔ ایک اور بات بھی ہے کہ مُن تمہارے سروں پر ابھی موجود ہوں۔ میرے ہوتے ہوئی تم کیوں روتے ہو! رونا بند کرو۔ آؤ مل کر سوچیں کہ تمہارے مرحوم باپ کے چلے جانے کے بعد جو ذمہ داریاں ہم سب کے کندھوں پر آن پڑی ہیں۔ انہیں کیسے ادا کیا جائے۔ تو ہاں عبد العزیز تم بڑے ہو تمہاری پہلی ذمہ داری تہ یہ ہے کہ تم جو کچھ جانتے ہو سہ اپنے چھوٹے بہن بھائیں کو باپ کی طرح سکھانا شروں کرو اور سکھانے کے دوران بے پناہ شفقت ورحمت سے کام لو۔ جیوئے سیکھنے میں کملنی سے کام لیں گے۔ سیکھنا جلدی نہیں آہستگی اور سست روی کا عمل ہے اس میں استاذ کو شاگرد سے زیادہ صابرانہ مزاج کا حامل ہونا چاہیے۔ پس آج سے تم عہد کرو کہ تم جلد بازی اور بڑے بھائی ہونے کی وجہ سے ماضی میں اپنے ہوئے بہن بھائیوں سے جو بات بات پر ناراض ہو جاتے تھے نہ جس طرح بات بات پر غصیلے پن کا مظاہرہ کیا کرتے تھے آج سے اپنی کمزور وضعیف ماں کے سامے اقرار کرو جس کے کندھوں پر اچانک بہت بڑی بڑی ذمہ داریوں کا بوجھ آن پڑا ہے اسی ماں کے سامنے اقرار اور عہد کرو کہ اب آج تم سب چھوٹے بہن بھائیوں کے لئے اپنے عظیم باپ کا نعم البدل ثابت ہو گے۔ اپنی یتیمی کا احساس نہیں ہونے دو گے۔ انہیں قدم قدم پر ماں باپ کی سفقت ورحمت سے نوازے کی ہر لمح کوشش روگے۔ میی دعائیں تمہارے شامل حال رہیں گی۔ اور جب تم اپنے بہن بھائیوں کی ضروریات

کو پورا کرنے میں مصروف رہو گے اور ماں کی دعائیں شامل حال ہوں گی تو تم دیکھو گے۔ بلا التجاء و دعا کے اللہ تعالیٰ تمہاری حاجات و ضروریات کو پورا کرتا رہے گا۔ بہن بھائیوں کے ساتھ اس طرز عمل کو اختیار کرنے کی تلقین کے بعد اب بیرونی حوالے سے جو ذمہ داریاں ہم پر عائد ہوتی ہیں۔ ان سے عہدہ برا ہونے کا چیلنج تمہیں درپیش ہے ابھی سے کسطرح عہدہ برا ہونگے۔ امان ضی۔ ان ذمہ داریوں سے عہدہ برا ہونے کے ساتھ ایک اور چیلنج بھی عنقریب درپیش ہونے والا ہے اس کے بارے میں ابھی تک ہم نے غور نہیں کیا ہے۔ مجھے کل نماز جنازہ کے دوران جو ہنگامہ ہوا ہے اس سے میں نے اندازہ لگا ہے۔ شر پسند عناصر جنہوں نے والد صاحب کے قرض کی وجہ سے نماز جنازہ تک نہ پڑھنے کی تجویز پیش کی تھی ان سے کچھ بعید نہیں کہ وہ نمازیوں کے سامنے یہ تجویز رکھیں کہ چونکہ ہمارے پاس فارغ التحصیل ہونے کی سند نہیں ہے یا ہم اپنے والد کی طرح مستند عالم دین نہیں ہیں۔ لہذا انہیں امامت و خطابت سے علیحدہ کر دیا جائے۔ اس طرح فوری طور پر ہمارے مصائب و آلام میں اضافہ ہو جائے گا۔ لہذا اب ہمارے اس مصیبت کو کیسے ٹالا جا سکتا ہے۔ اماں جی۔ بیٹے عبد العزیز! اللہ تعالیٰ تجھے صحیح معنی میں عبد العزیز یونی حقیقی معنی میں عزت و غلبے والا بندہ الٰہی بننے کی توفیق عنایت فرمائے تم نے جس امر کا اندازہ لگایا ہے۔ مجھے بھی اس امر کا احساس ہوا تھا۔ لیکن اس احساس نے مجھے پریشان نہیں کیا کیونکہ تمہارے والک کی خدمات کو نمازی اتنی جلدی نہیں بھول سکتے اگر کوئی ایسی تجویز شر پسندوں نے پیش بھی کی تو وہ میہ کی کھائیں گے۔ تمہارے والد سے لوگوں کو بڑی عقیدت اور احترام تھا۔ لہذا نمازی حضرات کبھی بھی تمہیں امامت و خطابت سے الگ نہیں کریں گے۔ لیکن تمہارا یہ سوچنا بالکل مناسب بلکہ صائب ہے کہ تمہیں بات ہے لہذا اس کی اول فرصت میں تدبیر سوچنی چاہیے۔ اس کی ایک صورت یہ ہے کہ کل گاؤں کے عمائد بن کر خواتین سے ملوں گا۔ کیونکہ انہوں نے کل تعزیت کے لئے ہمارے ہاں اجتماعی طور پر آنا ہے۔ تو تعزیت کے بعد میں اہم ترین افراد کی خواتین روک لوں گی اور ان سے اس موضوع پر نہ صرف بات کروں گی بلکہ قبل از وقت شر مندگی کی ممکنہ شرارت سے آگاہ کرنے کی کوشش کروں گی۔ سیسے عبد العزیز تمہیں ایک بات کی شائد اطلاع نہیں پہنچی جو مجھے پہنچ چکی ہے۔ کل شام ہی ایک نہایت ذمہ دار فرد کی بیوی تعزیت کے لئے تشریف لائی تھی۔ ان کے خاوند اور یہ بیوی نونوں تمہارے وال صاحب کے شاگرد ہیں۔ وہ کہ رہی تھیں کہ استاذ صاحب کے جنازہ کے دوران جو شر پسندوں نے تجویز دی تی اس سے ان کا خون کھولنے لگا تھا۔ وہ کہ رہے تھے جس ہمارے استاز نے ہمرا ے ماں باپ اور دادا دادی جیسے رشتہ داروں کے رو رو کر جنازے پڑھیں ہی۔ آج ان کے جنازے نہ پڑھنے کی باتیں ہم میں سنی پڑ رہی ہیں۔ وہ بھی صرف اس لئے کہ ان کے ذمہ کچھ قرض ہے حالنکہ وہ قرض بھی انہوں نے کسی ذاتی غرض کے لئے نہیں لیا بلکہ اہل حاجت کی حاجتیں پوری کرنے کئے لئے وہ قرض لیتے تھاے اس قرض کی ذمہ داری تو ہم سب کے کندھوں پر عائد ہوتی ہے اور یہ کم بخت استاذ محترم کے جنزے نہ پڑھنے کی باتیں کر رہے ہیں۔ مجھے یہ ہی بہتر چلا ہے کہ وہ شاگرد یہ کہ رہے تھے کہ اگر میں عبد العزیز تقریر نہ کرتے کہ وہ اپنے باپ کا عنقریب قرض ادا کر دیں گے تو اعلان دہ شاگرد کرنے والے تھے لہذا تمہیں چاہیے کہ تم کل ان سے ملو اور پوچھو کہ اے چچا جان والد صاحب کے ذمہ قرض کی ادائیگی کے بارے میں آپ کیا سوچ رہے ہیں۔ اور اس ذمہ داری کے عہدہ برا ہونے کے لئے آپ ہمیں کیا کیا تدابیر بروئے کار لانے کا مشورہ دیں گے۔ مجھے یقین کامل ہے کہ اس کھاء اپنے دین کے بے لوث خادم کو بہت جلد اس قرض سے سبکدوش فرمائیں گے۔ غرضیکہ عظیم

اماں جی نے اپنے بچوں کو آغوش شفقت میں بٹھا کر اچھی طرح مستقبل کی منصوبہ بندی کی اس سے ان کی تدبیر و دانشمندی ہمت و بلند عزمت کا واضح ثبوت ملتا ہے۔ بہر حال رات گزر گئی اگلے اللہ تعالیٰ کا پاک نام لیکر اور اللہ تعالیٰ سے توفیق پا کر عبد العزیز نے اپنے عظیم بات پ کے مثلے پر قدم رکھے اور نماز فجر پڑھائی پر کشش چہرہ تو تھا ہی باپ کی وجاہت تو تو چہرہ سے چھلک ہی رہی تھی جو آپنے سورۃ طہ کی پہلی اور دوری سورت میں تلاور کی اس سے تو نماز مبھوت رہ گئے کیونکہ آجتک انہوں نے باپ کی موجودگی میں کبھی نماز کی امامت نہ کی تھی اا اج جو لاگوں نے نماز فجر آپ کے پیچھے پڑھی تو تمام نمازی عش عش کرنے لگے۔ اور جو وہ کمرہ تھا۔ اور جس کی شر پسند عناصر رات پھر تدابیر سوچتے رہے تھے وہ خطرہ اپنی موت خود ہی مر گیا۔ رات بھر شر پسند عناصر ایک جگہ جمع رہے ان کا اندازہ یہ تھا کہ عبد العزیز نے تو آجتک کبھی نماز پڑھائی ہی نہیں لہذا اور تو وہ نماز فجر میں شامل ہی نہیں ہو گا۔ اور اگر لوگ پوچھین گے تو عدم شرگت کا یہ پیاز بنادے گا۔ کہ پاب کی وفات کے صدمے سے رات بھر نڈھال اسی لئے وہ نماز فجر میں شریک نہیں ہو سکا اور لوگ اس کے اس پین کو قبول کیں گے اسی چیز کے پیش نظر شر پسن وں نے ایک امام کا بھی بندوبست کر لیا تھا۔ کہ جونہی نماز فجر کی امامت کا وقت ہو اور عبد العزیز موجود نہ ہو تو لیکن نماز نہ پڑھائے ء تو فورا! اس امام کی تجویز دے دی جاتے اس نے بھی رات بھر خوب اپنے گلیے کی خدمت کی تلاوت کے لئے ایک سے بڑھ کیر ایک مقام تیار کرتا رہا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کرنا ایسا ہوا کہ جونہی شر پسندوں کا امام مسجد میں داخل ہو تو یہ دیکھ کر سانپ نے اسے سونگھ لیا کہ عبد العزیز مصلیٰ کے قریب محو گفتگو ہے۔ پتہ چلا کہ عبد العزیز تو شاہ عبد العیز دہلوی کی تفسیر عزیزی کا درس دے رہا ہے اور لوگ بھی تن گوش ہو کر اسے سن رہے ہیں۔ پر جونہ صلوۃ فجر کا ادائیگی کا وقت ہوا عمائین نے عبد العزیز سے امامت کرانی کی التجاے کی۔ عبد العزیز نے فجر کی امات کرائی دونوں رکعتوں میں سورت طہ کی تلاوت فرمائی تلاوت طہ اس پر سوز انداز میں کی اپنے والد کی یاد تازہ ہو گئے۔ لوگ بے ساختہ کہنے لے گو یا والد محترم ہی نے نماز پڑھائی ہے۔ بلکہ آواز کے اندر جو شوکت و جلال تھا اور اس کے ساتھ سوز و گداز سے جو آمیزش تھی ان دونوں چیزوں نے مل کر نمازیوں کو احساس دلایا کہ بیٹا باپ سے پیچھے نہیں رہے گا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے کچھ آگے ہی جائے گا۔ نماز فجر کے بعد عبد العزیز نے درس قرآن دیا درس قرآن نے تو شر پسندوں کے ترکش کے آخری تیر کو تاڑ مڑوڑ کر شکار کر دیا۔ انہوں نے صاف نظر آگیا کہ عبد العزیز کے ہوتے ہوتے تو وہ امامت و خطابت کے منصب کے حصول کا صرف خواب ہی دیکھ سکتے ہیں جو امر واقعہ میں کبھی شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا۔ بہر حال درس قرآن کے بعد تمام نمازی عبد العزیز سے باری باری بغلگیر ہوئے عظیم باپ کی وفات حست آیات پر کے ستاتھ بمعہ اس کے بھائیوں تعزیزیت کی اور ساتھ ہی آماں جی کی خدمت یہ پیغام پہچانے کی سفارش کی اس پیغام میں انہوں نے آماں جی کی خدمت یہ پیغام پہچانے کی سفارش کی اس پیغام میں انہوں نے آمان جی درخوست رتے ہوئے کہا کہ شر پسندوں نے نماز جنازہ کے دوران جہ بیہودہ حرکت کہ ہے وہ اس کے بارے میں ان معافی کے خواستگار ہیں۔ ہم ان شا اللہ شر پسندوں کی ایک نہ چلنے دیں گے۔ اماں جی ہمارے عظیم استاذ وہ حسب سابق اسی مقام و مرتبہ کی حام ل رہیں گے۔ اور ان کا بیٹا عبد العزیز آج سے ہمارے امام اور خطیب ہے اگر وہ مزید تعلیم کے لئے دہلی جائے گو تو ہم اس کے اخراجات کو برداشت کریں گے وہ ہم سب کا اجتماعی ورثہ ہے ہم اسے فارغ التحصیل ہونے تک ہر طرح کے تعاون سے ہمکنازر کرتے رہیں گے ہم اماں جی کی بھی اسی طرح خدمت انجام دیتے رہیں گے جس طرح

اپنے استاذ محترم کی وقتاً فوقتاً خدمت انجام دیتے رہیے ہیں۔ جب لوگ اجتماعی طور پر اپنے جذبات کا اظہار کر رہے تھے تو عین اسی دوران وہ شاگرد خاص جیسس کے بیوی کے حوالے سے اماں جی نے عبدالعزیز کو آگاہ کیا تھا۔ بلکہ جس سے مل کر قرض کی ادائیگی کے بارے میں اس کے ستھ مشاورت کا عبدالعزیز کو مشورہ دیا تھا۔ وہی شاگرسب نمازیوں کے سمنے کھڑا ہو گا اس نے تمام نمازیوں کو اپنی طرف متوجہ کرتے وہئے۔ کہا کہ آپ اس ب لوگ اس بات کا اچھی طرح علم رکھتے ہیں کہ استاز محترم اپنی وفاوت اکے ہاتھوں مجبور ہر کر اہل حاجت کو ضرورت پوری کرنے کے لئے دوسروں سے قرض لیکر ان کی امداکیاکارتے تھے۔ اب اس قرض کی ادائیگی کے بارے میں ہم سب کو سوچناچاہئے کہ اس کی ادائیگی احسن انداز میں کیسے ہو۔ اپ اس سے پہلے کہ لوگ رائے زنی شروع کریں۔ عبدالعزیز لوگوں کے شامنے کھڑا ہوااس نے کہا۔ محترم سامیعین کرام وناظرین میں نہیں چاہتا کہ میرے باپ کے قرضے کو بار بار موضوع بحث بنیاجائے مجھے اس قرض کے ذکر سے ذہنی کوفت ہوتی ہے۔ میں کل نماز جنازہ سے پہلے سب حاضرین کے سامنے اس کی ادائیگی کا عہد کیاہے لہذا آپ کچھ مدت کے لئے توقف کریں۔ اگر میں اپنے عہد کو پوراکرنے میں کامیات نہ ہوت تو بھر میں آپ لوگوں سے عرض کروں گا کہ وہ مجھے اس عہد کو پوراکرنے میں میرے عدد دس دن بنیں تمام لوگوں نے عبدالعزیز کی اس بات کو سن کر اسے خوب داد دی۔ اور کہا عبدالعزیز ایک عظیم باپ یقیناًایک عظیم بیٹاہے اور اس نے اپنی عظمت وعزیمت کا ایک ہی دن میں ناقابل انکار ثبوت فراہم کر دیاہے۔ غرضیکہ لوگوں نے عبدالعزیز کو داددی اسی کی عظمت کو خراج عقیدت پیش کیااور یہ کہتے ہوئے تمامسجد سے باہر چلے گئے کہ اے عبدالعزیز ہم تمہارے والد کی طرح تمہاری ساتھ بھی اسی طرح ہیں جیسے ان کے ساتھ تھے۔ اجتماعی دن وتعزیت کے بعد یہ اجتماع اختتمام پزیر ہوا۔ عبدالعزیز گھر آنے کی بجائے اس شاگرد کے ساتھ اسی کے گھر چلئے گیے وہاں اس نے ان سے پوچھا کہ قرض کی ادائیگی کے حوالے سے ان کے ذہن میں کیاتدبیر ہے۔ انہوں نے کہا کہ میرے پاس کچھ موجود ہے اور میرے بیوی کے باس کچھ زیورات ہیں۔ میں نے فیصلہ کیاہے کہ وہ رقم اور زیورات کو بیچنے سے جو پیسے حاصل ہوں۔ وہ آپ کی خدمت میں پیش کر دوں میں امید کتاہوں۔ اس رقم سے ساراکا سارا قرض اداہو جائے گا۔ عبدالعزیز نے کہا چچاجان یہ آپ کا بہت بڑا ایثار اور قربانی ہے اور یقیناًیہ تجویز دیکر آپ نے حق شاگردی ادا کر دیاہے۔ لیکن اگر آپ ناراض نہ ہوں تو میں عرض کر دوں۔ میرے ذہن میں قرض کی ادائیگی کے بارے میں کیاتدبیر ہے۔ ؟ شاگرد نے کہاصاحبزادے صاحب ذرابتاؤ۔ عبدالعزیز نے کہا۔ چچامیرے ذہن میں یہ بات جو آجتک ہم نے ناکارہ چھوڑ رکھی ہے کیوں نہ کوئی تدبیر ایسی اختیار کی جائے کہ اس تمام زمین کو تیار کرے اس میں بیج ڈالا جائے میرا خیال ہے کہ اس سے اتی فصل پیدا ہو جائے گی کہ جسے بیچ کر تمام کا تمام قرض بخوبی داد ہو جائے گا۔ ہاں عبدالعزیز تمہارے تائے توصائب ہے۔ لیکن اس پر کئی ماہ لگ جائیخ گے میں دو دن کے لئے بھی اپنے استاذ کے بارے میں یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ لوگ کہیں کہ وہ مر گئے اور ان کے ذمہ ابھی تک فلافلاں کا قرض واجب الداہے لہذا قرض تو میں تمام کا تمام اسی فینہ ادا کروں گا اور اسی طرح ادا کروں گ جیسے کہ میں نے تمہیں بتادیاہے۔ اپ عبدالعزیز نے کہا چچا تو پھر میری ایک دوسری تجویز ہے۔ اور وہ یہ کہ قرض تو آپ اس طرح ادا کر دیں۔ لیکن میں اپنی تجویز پر عمل کر کے آپ کی رقم ضرور بلرور ادا کروں گا۔ شاگرد بھائی عبدالعزیز یہ بات کوئی اہمیت نہیں رکھتی ہم نے آپ کے والد محترم سے دونوں جہان کا سردار قرآن پاک سیکھاہے۔ قرآن کی نعمت جو کہ دونوں

جہانوں کی تمام نعمتوں سے افضل و بالا ہے اس کے سامنے ان چند ٹکوں کی کیا حیثیت ہے۔ لہذا آ]پ قرض والے معاہے کو تو بھول جائیں۔ یہ تو چند روز انائے اللہ ادا ہو جائے گا۔ اور مجھے آپ اس اس تجویز سے بھی کلی اتفاق ہے کہ آپ زیادا سے زیداہ زیمن پر مختلف فصلیں اگائیں اور اس طرح جو کچھ حاصل ہو اس کو جس مصرف میں چاہیں کام میں لائیں اور مجھے اس امر سے بھی سو فیصد اتفاق ہے کہ آپ دہلی جا کر دورہ حدیث کریں۔ اور جس قدر جلد ممکن ہو آپ واپس آئیں اور اپنے عظیم باپ کی جگہ پر بیٹھ کر ان خدمات وبسلسلہ کو باحسن اداز ادا کریں۔ جنہیں وہ بزرگوں۔ انجام دیا کرتے تھے۔ آپ کی عدم موجودگی میں انشاے اللہ اناج وغلہ انہی ھن عغیرہ جیسی ضروریات کی فراہمی میرے ذمہ داری ہو گی۔ آپ کے چھوٹے بھائی ماشاے اللہ اب بلوغت کی عمر کو پہنچ چکے ہیں۔ وہ امنت کر سکنے کے اہل ہوں گے۔ آپ کی عدم موجودگی میں وہ مسج میں ماامت کے فرائض انجام دیتے رہیں گے۔ اور اگر ضرورت محسوس ہوئی تو عارضی طور پر کوئی باہر سے امام بھی لایا جاسکتا ہے۔ بہر حال آپ مطمعن رہیں اور ہماری اماں جی کو ہماری طرف پیغام پہنچا دیں کہ ہم بھی ان کے فرزند ہی ہیں۔ اور نے مقم و مرتبہ کے پہچاننے اور ان مقام کے حوالے سے ذمہ داریوں سے عہدہ برا ہونے میں انشا اللہ کوئی کوتاہی ہماری جانب سے سرزد نہ ہو گی۔ غرضیکہ عبد العزیز واپس گھر آئے اماں جی کو تمام تفصیلات بتائیں وہ بہت خوش ہوئیں۔ فرمایا میرا تو پہلے ہی سے ایمان تھا کہ تمہارا باپ ایک دعا گو مردِ خدا تھا ایسے بندوں کی جدودہد کے تنائج و ثمرات کو اللہ تعالیٰ کبھی منافع نہیں فرماتا اور ان کی اولاد صالحہ کو ان کی وفات کے بعد نظر الہ زنیں کیا کرتا ہے۔ فلہذا عبد العزیز تمہاری یہ رائے بلکل صحیح ہے کہ تم اس عقل فریف میں جس قدر ممکن ہو زیدہ سے زیداہ زمین پر مختلف اجناس کے بیج ولواؤان کی رکھوالی کرو اور وقتاً فوقتاً جا کر نگرانی کی اکرو۔ فصلوں کی نگہ داشت ان کے اگانے سے زیادہ وہم ہوا کرتی ہے۔ اور اگر دیکھی ہوئی فصلوں کو بحفاظت اٹھالیتا اور انہیں عبودیت رب کے نصف العین کے حصول کے لئے قوت و طاقت مادی و معنوی کے حصول دریافت کے لئے استعمال کرنا اس بھی زیدہ اہم بلکہ مقدم امر ہوا کرتا ہے۔ اس فصل فریضہ کے بعد فوراً عید الفطر ہو جائے گی۔ شوال کا مہینہ شروع ہو گا۔ اس مہینہ میں دینی مدارس ت کے داخلے ہوتے ہیں۔ لہذا تمہارے لئے واجب ہے کہ جہاں تم نے اپنا سلسہ تحصیل علم انے والد مرحوم کے ہاں چھوڑا ہے وہیں سے دہلی مدرسہ عبد الرب جا کر اسے شروع کر دو۔ تمہاری عدم موجودگی میں اللہ تعالیٰ ہمارا محافظ و نگہبان ہے وہی یتیموں اور ناداروں کا بھی رب ہے بلکہ جو یتیم اور نادار اس کی موفت حاصل کر کے حقیقی طور پر اسے پہچان کر اسکے بن جاتے ہیں۔ وہ ان نادوروں اور یتیوموں کی اس طرح دستگیری فرماایتا ہے ہے۔ کہ بڑے بڑے وسائل والے ان کی عظمت وشان کو دیکھ کر مبھوت ہو جاتے ہیں۔ بہر حال عبد العزیز اپنے والد محترم کے شاگردوں کی مغرت و معاونت اور تعان اور عمل مشورت سے فصلوں والے کام کو نہایت ہمت اور جو کسی سے انجام دیا اللہ تعالیٰ فصلوں کے اس کام کو انتا بابرکت کیا کہ ان اجناس کو بیچنے سے اتے پیسے حاصل ہوئے کہ نہ صرف قرض اور اسے وابست ضمانات کے تمام حسابات بیباق ہو گئے۔ بلکہ گھر کے سال بھر کے اخراجات اک بھی مکمل طور پر انتظام ہو گیا۔ بلکہ دہلی کے کرایہ اور دیگر متفرق امور کے لئے جتنا روپیہ درکار تھا۔ وہ بھی اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے خود بخود حاصل ہو گیا۔ اتنے مٰن رمضان المبارک کا مہینہ آ گیا۔ عبد العزیز کچھ قرآن حفظ تھا۔ اور آخری منزل تو پوری ہی یاد تھیں۔ دے بھی سابقہ سالوں کی رایت کے مطابق سمملم و مستند حافظ صاحب ہر سال تراویح پڑھانے آیا کرتے تھے۔ بہر حال عشاء کی نماز کے فرض اور وتر کی

نامز توعبدالعزیز پڑھاتے اور تراویکی نماز حافظ صاحب پڑھاتے رہے۔ رمضان المبارک نہایت خیر وخوبی کے ساتھ اپنے اختتام کو پہنچاعبدالعزیز نے باپ کے تعلیم کردہ منفی طریقے کے جی نام زعید پڑھائی اور خطبہ عید پڑھا۔ بوجودیکہ یہ پہلا خطبہ عید تھاجو عبدالعزیز نے دیا۔ لیکن اس کے باوجود اس کے بارے میں لوگوں کا تاثر نہایت اچھا تھا۔ اور یہ تاثر بھی پیدا ہو کہ برے میں قائم ہو چکا تھا کہ وہ اپنی باپ کی گدی پر بیٹھنے کا پوری طرح اہل ہے اس میں عزم وحوصلہ بھی ہے اور معامہ سے کو نپٹانے کے لئے ہر طرح کی تدبیر کو بروئے کار لانے کی بھی اس میں پوری پوری استعداد وصلاحیت پائی جاتی ہے۔ غرضیکہ عید الفطر کی ادائیگی کے بعد عبدالعزیز دہلی چلے گئے وہں انہیں مدرسہ عبدالرب میں داخلہ ملا اور درس سے وہ سند فرغت لیکر جلد واپس آگئے جہں تک ان کی مصروفیات کا تعلق ہے جو کہ انے ایام دہلی سے تعلق ہیں تو ان کے بارے میں داداجی کے حوالے سے مجھے یاد نہیں پڑتا کہ انہیں نے مجھے کوئی قابل بات بتائی ہو معلوم یہی ہوتا ہے کہ خود ناناجی نے بھی وہاں کے حالات کو پردہ افضاد دیہ ہیں رکھنا پسند فرمای اہے۔ کیونکہ اگر وہ زکر کرتے تو ناممکن تھا کہ داداجی اس کا مجھ سے ذکر نہ کرتے۔ بہر حال ہم سے بعنیہ واتعات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ واپس آکر عبدالعزیز اب صرف عبدالعزیز ننہں تھے بلکہ عبدالعزیز علامہ بن چکے تھے۔ خطابت میں اپنیا یک مقام بنا چکے تھے۔ پتہ چلتاہے کہ آپ دہلی میں کسی نہ کسی خطابت کے فرائض انجام دیتے رہیں ہیں۔ بہر حال واپس آکر آپن نے اپنی چھوٹے بھائیوں عبدالمجید اور جعبۃ اللہ کو وہ تمام علوم پڑھائے اپنے گوؤں دالعلوم عزیزیہ قائم کیااور ایک بہت بڑا کتابخانہ، عزیزیہ کے نام سے قائم کیااطراف وجانب میں آپکے علم وفضل کی دھاک بیٹھ گئی اور جوق درجوق طلباودین ان کے ہاں کتب علوم کرنے کے لئے حاضر ہونے لگے آپ نے ان کے قیام وطعام اور تعلیم وتربیت کا بہترین انتظام فرمایا آپ کے وفرق فرق ہائے باطلہ کے ستھ مرہامناظے بھی کرنے پڑے اسی طرح اہل قادیان کے ساتھ اپنے گاؤں میں ایک بہت بڑے مناظرے کا اہتمام فرمایا جس میں مشہر مناظر اسلام علامہ تناع اللہ امترسری تشریف لائے اور اپنی قادیانیں کے مقابلے میں فتح ہیں۔ حاصل ہوئی۔ علامہ عبدالعزیز نہیایت نڈر اور بے باک مناظر تھے۔ اس اس حوالے سے گونمٹ یاسشرار دربار کے رعب ودبدبہ سے آپ بلکل آزاد ہو کر کرے تھے۔ اس مناظرہ کا ذکر ہے کہ اس میں ایک اعلیٰ منصف کے پولیس آفیسر امور انتظامیہ کی نگرانی کے لئے حکومت برطانیہ کی طرف اس مناظرہ میں شریک ہونے ایک موقہ پر انہوں نے قادیانی مناظر کی کسی معملے میں معاونت کناچاہی۔ علامہ عبدالعزیز نے فوراًانہیں وہیں ٹوک دیا۔ فرمایا آپ منصب دار ہوں گے۔ پولیس مین اور امور انتظامہ میں آپ کی بات کا اتعبار ہو گا۔ لیکن امید ان منظرہ ہے اس میں فریقین کے مسلم نمائندے ہی گفتگو کر سکتے ہیں۔ آپکو اس میں ہم ذرہ برابر بھی دخل نہ دینے دیں گے۔ پولیس آفیسر کے ایلیٰ منصب کو دیکھ کر ذیل دار اور بمر دار اور دیگر بڑے بڑے عمائدین خائف تھے۔ لیکن علامہ عبدالعزیزیہ اس کا ذرہ برابر بھی اثر نہ تھا۔

شادی:

علامہ عبدالعزیز کے ایک چچا تھے جن کا نام سلیمان تھا۔ ان کی ایک صاحبزادی جس کا نام عائش تھا۔ اس عائشہ کے ساتھ علامہ عبدالعزیز کی شادی ہوئی اس شادی خانہ آبادی کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے علامہ صاحب کو چار بچے عطا فرمائے۔ دو لڑکے اور دو لڑکا یا لڑکوں کے نام ضیا اللہ اور خلام احمد تھے۔ بیٹیوں کے نام زینب اور غلام جنت فاطمہ تھے۔

ضیاالدین احمد:

یہ علامہ عبدالعزیز کے بڑے صاحبزادے تھے ذہین و ضمیر کے حوالے سے بڑے بلند مقام کے حامل تھے ان میں اعلوم قدیمہ دو جدی کی تحسیل کا بڑا ذوق و شوق پایا جات اتھا۔ اپنے والد صاحب نے علوم و قدیمہ گھر پر ہی علوم جدیدہ کے حصول کے لئے آپ بہت د عر تک جانا چاہتے تھے لیکن فیروز پور ضلع تحصل علوم کے لئے اپنے اندر کوئی شاز گار حالات نہیں رکھات پر اس کے کی دور افتادہ گوؤں میں جاہاز یادہ سے زیادہ ایک مذل سکول موجو ہو میں مڈل سکول جس میں انگریزی زبان میں پڑھائی جاتی ہیں وہس جدید علوم کیو حاصل کر سکنے کا کیا امکان ہو سکتا ہے۔ بہر حال ضیاء الدین احمد نے اس کے وقت کے انترنس تک جدید علوم حاصل کئے آگے بڑھانا مشکل نظر آیا تو ممکنہ اٹار مُن بھری ہو گئے۔ مختلف چیٹیوں پس اس ممکن ہمیں خدمات انجام دیں۔ قیام پاکستان کسے قبل اس محکمہ میں ضلع کے منصب پر فائز ہو گئے تھے۔ قیام پاکستان کے وقت مسلمان ملازمین سے پوچا گیا تھا کہ وہ بتائیں کہ وہ پاکیستان جانا چاہتے ہیں یا ہندوستان ہی میں رہیں گے۔ انہیں نے پاکستان آنے کا فیصلہ کیا چونکہ آپ ایک متعبر عالم کے فرزند تھے۔ پھر آپ نے اپنے وال محترم سے براہ راست علم و فنون کی تحصیل کی تھی اور مختلف مذاہب اور فرق کے ستھ مذہبی مباحثے ہوتے رہتے تے۔ اس لئے دوان مالزمت میں انے کے سیم منصوبی اور ان کے بابین ہندو مت سکھ ازم اور دیگر مسل فرقوں کے افراد کے استھ مذہبی بحث و مثاحثہ ہو تا رہتا تھا۔ آپ کے عقلی و منطقی استدلال کے سامنے فریق مخالف بے بس ہو جایا کرے ان بے بسوں نے اپنی اسی بے بسی کا بدل آپ سے اسی طرح لیا کہ جب آپ رات کی تنہائی میں اپنے ہیڈ کواٹر سے اپنے اہل و عیال کے ساتھ ہجرت پاکیستان کے لئے تشریف لا رہے تھاے کہ آپ کے ان مخالفین نے سکھ مشتعل نوجوانوں کو آپ کی شہادت پر ابھارا انہں نے رات کی تنہائی میں جھتے کی صورت میں آپ پر یکبارگی حملہ کر یا اپ کو شہید کرنے کے بعد آپ کی لاش پر سے پسن مبی بیدای شائنک گھڑی واور دوری نقدلے کر اپنے لوٹ مار کے مراکز کی طرف بھاگ گئے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی مغرفت فرمائے۔ اور ان کی اس شہادت کو اے ہاں قبول فرمائے۔

علامہ غلام احمد:

اپنی کی کانام پر آگیا۔ علامہ غلام احمد ذہین وذکاء کے حوالے سے عدم انظیر انسان تھے۔ آپ علامہ عبد العزیز کے دوسرے فرزند تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حافظ ایسا فرمایا تھا۔ کہ جس چیز کو ایک دفعہ دیکھ لیا یا سن لیا اب وہ حافظہ کا ایسا حصہ بن گئی۔ جو لمح حافظہ محو کرنے کے باوجود محو نہ ہو سکتی تھی۔ بالکل ابتدائی ایام ہی میں اپنے والد مکرم سے تمام علوم وفنون حاصل کر لئے۔ والد صاحب انہیں دیکھ کر حیران ہوتے انہں نے ان سے بے پناہ توقعات وابستہ کر لیں۔ انہیں یقین کامل تھا کہ ان کا یہ فرزند بعہ عصر ثابت ہو گا۔ وہ علام وفقہ وحدیث اور لغات تفاسیر میں ایسا اکارنام انجام دے گا جو اپنی دیناتک یاد رکھا جائیگا۔ وہ ہر دم اسے اپنی نظروں کے سامنے رکھتے بے پناہ لطف وکرم کا ان سے برتاؤ کرتے۔ انہں نے بامر مجبوری انہیں ان علوم کی تحصیل کے لئے صحن آباد ریاست بہاولپور بیجھ دیا جن کا گھر پر حصول مشکل تھا۔ اس وقت منچین آباد کا یہ مدروہ علبقے میں نہایت نمایاں اور ممتاز حیثیت کا مالک بن چکا تھا۔ علامہ غلام احمد دورہ کے آخری سال میں پڑھ رہے تھے کہ انہیں سرسام کا مرض لاحق ہو۔ وال مرحوم کو اطلاع ملی پیت بانہ انداز میں منچین آباد پہنچے۔ انہیں گھر لائے۔ لیکن وہ اس مرض سے جانبدنہ ہو سکے۔ ان کی وفات کے صدمے نے علمہ عبد العزیز کے دماغ کو متاثر کیا۔ اتناہی نہیں بلکہ ان کی والدہ عائشہ بھی اس صدمی کی وجہ سے بقیہ ایام میں ہمیشہ مغموم رہیں۔ حقیقت یہ ہے محترم عائشہ کو دوشھادتوں کے صدمات اور خاون کی وفات کے حادثہ جاجد نے اندر سے کھوکھلا کر دیا تھا۔ ہجرت پاکستان کے ایک پڑاؤ میں کہ جس میں انہیں ضیادالدین احمد کی شہادت کی خبر پہنی تو سہ اس رو تاجنت الفردوس کی طرف کوچ کر گئیں۔

زینب بی بی:

علامہ عبد العزیز کی بڑی بیٹی تھیں۔ میرے ساتھ ان کا رشتہ خالہ کا تھا۔ میرے والدہ ماجہ ان کی چھوٹی بہن تھیں۔ جب میرے والدہ کا انتقال ہو گیا۔ تو اس نیک خاتون نے ہم دونوں بھائیں کی پرورش کے لئے اپنی بڑی بیٹی محترمہ ذکر الہی کو ہمارے گھر بھیج دیا۔ جنہوں نے بڑی بہن اور پیاری ماں کے طور پر ہمیں پالا پوسا۔ اہیک اللہ تعالیٰ انہیں اس کی جزائے خیر عطا کرے اور ان کی آل اعلاد دین ودنیا میں بلند سے بلند مناسب پر فائز ہونے کی توفیق عنایت فرمائے۔

غلام جنت فاطمہ:

یہ میرے والدہ ماجدہ تھیں۔ یہ علامہ عبد العزیز کی سب سے چھوٹی بیٹی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے ماں باپ کے اوصاف حمیدہ سے وانہ حصہ عطا فرمایا کرتے آپ مجمل اخلاق تھیں۔ گالی گلوچ اور ناشائست الفاز ان کی زبان پر جاری ہی نہیں ہو سکتے تھے۔ ان کی زبانی ہمیشے ذکر مصطفی سے تر رہی تھیں۔ وہ ظاہر اعلوم کے حوالے سے بالکل نابلد نہیں لیکن روشن ضمیرے اور ماں باپ کی خدمت نے ان کے اندر عشق نبوی کا ایسا چراغ روشن کر دیا

تھا۔ جس کی ضیاے باریوں سے ایک دنیا منور ہوئی۔ عشقنبوی کے بعد ان کا دوسرا وصف خاص عشق قرآن تھا۔ باوجود اس کے آپ نے غالباً ناظرہ قرآن بھی نہ پڑھا تھا۔ تو بھی قرآن پاک کا جب تمام تھیں تو پتہ چلا تا کہ یہ لفظ زبان سے نہیں دل کی گہرایوں سے نکل کر مجھے ہے ان کے عشق نبوی اور عشق قرآن تھا۔ اس سے بڑھ کر کیا ثبوت ہو گا کہ ان کی لوریوں نے مجھے اللہ تعالیٰ کی ان دو عظیم نعمتوں سے متارف کریا۔ میرے اندر عشق نبویاور عشق قرآن کے حوالے سے جو کچھ ہے یہ اسی قدسی صفت ماں ہی کا فیضان ہے مجھے نور اللہ سے متعارف کرنے اور قرآن پاک نعمت کا ادارا ک رنے کی سعادت اگر کسی فرد بشر کو حاصل ہے تو۔ اپنی کی ذات سورہ صفات ہی پر تو ہے آپ کی لوریاں اسی قدر اصلی اور پر سوز ہوا کرتی کہ انہیں سن کر بے اختیار اللہ تعالیٰ، محمد اور قراں پاک سے پیار کو دل چاہتا آپ فریق الہیٰ آپ فریق الہی فراق روسل اور مھجور ارآن پر بیتابانہ انداز میں گفتگو فرمایا کرتی تھیں۔ معلوم ہوتا ہے اور بھی ان کے دادا علامہ قادر بخش مرحوم کا عشق نبوی عصر اپنے تمام معانی و مطالب کے ستھ گھر کہ گا تھا۔ اور میرے والدہ ماجدہ کو اپنے ماں باپ اور چھوٹے بھائی علامہ غلام احمد کے ساتھ۔ اس حد تک محبت تھی کہ اگر اسے اپنی جان کا قدیر ابھی ان کے لئے دینا پڑتا تو وہ اس سے دریغ نہ کرتیں۔ معلوم ہوتا ہے وہ ان کا بھائی غلام احمد ایک جو آسی تھے جو ایک دوسرے کے بغیر پل بھر کے لئے زندہ نہ ہر سکتے تھے۔ والدہ ماجدہ نہایت حساس طبیعت کی حامل تھیں۔ ذکادت حس اور جودت طبع آپ پر ختم تھیں۔ غلام احمد کی وفات۔ باپ کے صدمات اور صدماتی وفات پر والدہ ماجدہ کی بے سروسامانی کی حالت میں سفر ہجرت کے دوران وفات یہ ایسے واقعات تھے کہ جنہوں نے ادھر سے انہیں لکھو کھیلا کر دیا۔ تھا۔ ان صدمات کے نتیجے میں انہیں برہاخون کی الٹیاں آیا کرتی تھی۔ ان صدمات کے بعد ہجرت پاکستان کے صدمہ اور گھر بار اور مال و منال کے یکمحنت جدا ہونے سے وہ اس حد تک دلبر داشتہ نہ ہوئیں جس حد تک انہیں اپنے خاوند کی وفات کے صدمہ نے پریشان کر دیا۔ حافظہ قرآن خاون کی وفات کا صدمہ اور وہ بھی ایک صدماتی موت کا صدمہ اسی نے انہیں اندر سے ہلا کر رکھ دیا۔ لیکن وہ ان صدمات کے باوجود ہمیں اپنے بابرکت بست سے پورے ایک سال تک لگائے رہیں۔ ٹھیک ایک سال کے بعد ٹھیک اسی تاریخ کو کہ جب ان کے خاوند کا انتقال ہو تھا۔ ٹھیک اسی تاریخ کو وہ جنت الفردوس کی طرف جا سدھار ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے جوار رحمت میں جگہ عنایت فرمائے اللہ تعالیٰ ان کے درجات کو بلند سے بلند فرمائے۔

سیرۃ طیبیۃ:

پہلے ذکر آچکا ہے۔ کہ آپ کی سیرت عشق الہیٰ عشق نبوی اور عشق قرآن سے عبارت تھی۔ آپ دن رات ذکر الہٰ میں مشغول رہتی تھیں۔ آپ کی زبان اقدس ان اذکار ثلاثہ کے سوا کبھی کچھ نہیں سنا گیا۔ آپ کی لوریاں اور آپ کی گفتگوئیں سب ان انعامت الہی کی مظیر تھیں اور بس آپ کو مقام مم پاکستان کے فیصلہ بھی کے ساتھ عشق کی حد تک محبت تھی۔ آپ فرمایا کرتی تھیں۔ بھائی شہید ہوا کوئی بات۔ ماں راستے میں جدا ہو گئے کوئی بات نہیں ہمارے قافلہ میں گولیاں چلیں کوئی بات نہیں۔ ہم گھر سے بے گھر ہو کر جگہ پناہ گزیز ہو رہے ہیں۔ کوئی بات نہیں۔ ہم محمد اور آپ کے مقدس اصحاب کی طرح ایک مکمل معاشرہ اور مرضی ریاست قائم کرنے کے پر مرواں دواں بھی اس منذل کی طرف جانے والوں کا یہ نرادرہ ہے اس سے گھرانے کی

وطغا کوئی ضرورت نہیں ہے۔ والدہ ماجدہ کو مدنی نمونہ ریاست پر پاکستان کی ریاست قائم کر دکھانے کے وجہ سے قائد اعظم محمد علی جناحؒ سے والہانہ محبت تھی۔ مجھے یاد ہے جس دن قائد اعظم محمد علی کی وفات ہوئی۔ والدہ ماجدہ گا،وں کے نمبر دار سے جا کر ملیں میں ان کے ہمراہ تھا۔ مجھے آپ کے یہ الفاظ کبھی نہیں بھولیں گے۔ آپ نے فرمایا۔ بھائی صاحب گوؤں والے آپ کی بات مانتے ہیں۔ آپ گاؤں کے مولسی صاح ب سے کہیں کہ وہ قائد اعظم کے لئے غائبانہ نماز جنازہ کا اہتمام کریں۔ افسوس ان صاحب پر اس گفتگو کا کوئی اثر نہ ہوا اور گاؤں میں نماز جنازہ کا اہتمام نہ ہو سکا۔ ویسے بھی گاؤں کے مولی صاحبان جفی ملک کے تھے اور شائد اضاف کے ہاں غائبانہ نماز جنازہ ایک مختلف فہ مسئلہ ہے۔ بہر حال اتنا تو ثابت ہو گیا کہ والدہ ماجدہ کو قائد اعظم محمد علی جناح کے ساتھ قیام پاکستان کی وجہ سے بڑا قلبی لگاؤ تھا۔ والدہ محترم کو بے در بے اتنے صدمات سے دوچار ہونا پڑا کہ الخیفظ ولدمان سب سے پہلے عظیم والد کی جدائی کا صدمہ پھر انتئی پیارے عزیز صاحب علم افضل ہونہار بھائی کی اچانک وفات کا صدمہ۔ پھر گھر بار اور جدی وشتی وطن کو چھوڑنے کا صدمہ، پھر راستے میں بڑے بھائی کی جو کہ اب بڑے بھئی بھی تے اور باپ کی طرح ہر عروسیر میں ساتھ دے رہے تھے۔ ان کی شہادت کا صدمہ پھر راستے میں بے سرو سامانی کے عالم میں سہارا اور بھروسہ دلانے والی ماں کی ناگہانی وفات کا صدمہ بے سرو سامانی کے عالم میں ایک جگہ سے دوسری جگہ دربدر چکر لگاتے رہنے کے صدمات پر اچانک خاوند کی جوانی وافات کا صدمہ یہ صدمانت تو اتنے بڑے تھے کہ کوئی قوی الھمت انسان بھی انہیں سہارنے اور برداشت کرنے کا کم ہی حوصلہ رکھتا ہے چہ جائیکہ کہ کوئی عام خاتون خانہ ان صدمات کو برداشت کر سکتی بہر حال ان پے در بے صدموں نے اندر سے انہیں کھوکھلا کر دیا۔

وفات:

البتہ ان کی اچانک وفات کا سبب یہ بنا کہ ایک شدید سردی کے دن انہوں نے کپڑے دھوئے اوت تمام کھال کے اسی پانی سے غسل فرمالیا۔ اس کے نتیجہ میں اتی شدید سردی کے اثرات نے نمونیا کی شکل اختیار کی کہ نفث الام کا عارضہ پہلے ہی لاحق تھا۔ آخری ایام میں اخوت مڈاخلت کا بالکل جواب دے چکی تھی ایک رات اچانک سانس ہونے لگا۔ میں اتنا جم کو ہاتھ تگایا تو بخار سے تپ رہا تھا۔ میں نے محسوس کی اب ان کے لئے بات کرنا بھی مشکل ہو رہا ہے۔ ان ایام میں والدہ رات کے وقت مجھے اپنے ساتھ لٹاتی تھیں عام طور پر زندگی کے اتار چڑھاؤ اپنے والدین اور بھائیوں کے واقعات سناتیں عام طور پر ارشاد فرماتیں تو نے اپنے نانا کی طرف عالم اور بہت بڑا عالم بننا ہے تو نے اپنیے ماموں ضیاے الدین احمد شہید کی طرح قدیم اور جدید علوم کو حاصل کرنا ہے تو نے اپنے ماموں غلام احمد کی طرح علوم اسلامیہ کو اتنی لگن اور توجہ سے پڑھانا ہے کہ بس بلے بلے ہو جائے۔ بیٹا میں اب کچھ وقت کی مہمان ہوں۔ میں تمہیں پر وخدا کر کے اگلے سفر پر روانہ ہونے والی ہوں، میرے دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں زمانے کے سرد گرم حالات سے اپنی پناہ میں رکھے جبتک تمہارا دادا موجود ہیں۔ مجھے زیادہ فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ البتہ میرے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ان کی زندگی میں ہی اپنے باؤں کو کھڑا کر دے ہاں بیٹا آگے بڑھو۔ میرے اندر تو آگے بڑھنے کی سکت نہیں ہے۔ میرے بیٹے سے لپٹ جاؤ۔ کیا عجب کہ جو کچھ میں نے آج تم

سے کہا ہے یہ میرے آخری الفاظ ہوں۔ وہی ہوا یہ الفاظ کہ کر والدہ ماجدہ سو گئیں پہلے والی گرم اور سائنس ہونے کی حالت تھم گئی۔ ذرا پہلے میں کے الفاظ دہرانے جانے کی آواز سنی۔ اس آواز کے بعد ماحول میں چاروں طرف ایک سکون واطمینان کی کیفیت طاری ہو گئی۔ ابھی سمجھا کہ والدہ کا بخار ختم ہو گیا ہے انہیں سکون آ گیا ہے۔ آپ کو پر سکون نیند آ گئی ہے۔ اس کیفیت کو محسوس کرتے ہوئے۔ میں بھی رات بھر کے جگراتے کی وجہ سے سو گیا۔ صبح جب بیدار ہوا تو ہر طرف ایک شور تھا میں نے دیکھا ایک دیوار کے سایے میں گڑھا کھودا جا رہا ہے۔ مجھے خبر تک نہ تھی کہ ی میرے پیاری ماں وفات پا گئی ہیں۔ میں جانتا تک نہ تھا کہ موت کس بلا کا نام ہے۔ اور موت کتنی تلخ اور کڑوی چیز ہے۔ اس عدم علم کی وجہ سے نہ میں رویا نہ مجھے کوئی افسوس ہوا۔ تھوڑی دیر کے بعد دیکھا کہ والدہ ماجدہ کے جسد المر کو اس گڑھے کے قریب لے جایا جا رہا ہے۔ پھر دیکھا کہ گڈھے کے اوپر ایک بڑا سا لکڑی کا تختہ رکھ دیا گیا ہے۔ پھر دیکھا کہ پانی کے کچھ مٹکے کہ جن کے پانی میں بیری کے پتے ڈالے ہوئے ہیں۔ وہ اس گڈھے کے قریب رکھے جا رہے ہیں۔ حتی کہ میں نے یہ دیکھا کہ والدہ ماجدہ کو نہایت اہتمام کے ساتھ نہلا یا جا رہا ہے۔ پر انہیں کچھ سفید سے کپڑے پہنائے گئے ہر ایک چارپائی پر ڈال دوبارہ اسی جگہ لایا گیا۔ جہاں والدہ ماجدہ نے میرے ساتھ آخری لمحات میں آخری باتیں کی تھیں۔ میں ادھر ادھر حیرانگی کے ساتھ اس تمام منظر کو دیکھ رہا تھا۔ لیکن جیسے پہلے عرض کیا ہے میں موت اور اس کے مفہوم تک سے نا آشنا تھا۔ لہذا میں نے کوئی رد عمل ظاہر نہں کیا۔ حتی کہ والدہ ماجدہ کو جس چارپائی پر ڈالا گیا تھا اسے چار رشتہ داروں نے اٹھالیا اور وہ گاؤں سے باہر نکل گئے۔ میں اس تمام منظر نالے کے ساتھ ساتھ رہا۔ حتی کہ وہ لمحہ بھی آ گیا کہ جب والدہ ماجدہ کے جسد الطر کو ایک محضہ جس طرز کے گڈتے میں رک کر اوپر سے چند گھڑے رکھ کر اور اوپر سے مٹی ڈال کر بند کر دیا گیا۔ اس پوری مدت کے دوران میں پانے دادا جان کے ساتھ رہا۔ رات کافی بھیگ چکی تھی۔ انتہائی شدید سردی تھی۔ میں اور دادا جان واپس گھر آئے نادادانا ساز گاری کی یہ ایک ایسی حالت تھی جسے تحریر کرنے کی میں تاحال اپنے اندر طاقت نہیں پا رہا۔ پر گھر آ گئے۔ سوئے اور معلوم نہیں کب تک یہ کیفیت رہی۔ ایک دو دن کے بعد کا واقعہ ہے کہ مسجد کیطرف قاعدہ یسرن القر آن پکڑے پڑھے کے لئے آ رہا تھا کہ نیک دل اور رحیم و کریم عورت نے مجھے پکڑ کر پیار کرنا شروع کر دیا، اس نے مجھے کئے ایک سکے دیئے اور ساتھ ہی یہ الفاظ کہے کتنا معصوم اور پیار ابیٹا ہے۔ کتنا خوبصورت بچہ ہے۔ کتنا پیارا بچہ یتیم ہو گیا ہے۔ مجھے پہلی دفعہ پتہ چلا کہ میں یتیم ہو گیا ہوں۔ میرے اور میری والدہ ماجدہ کے مابین معقل جدائی پیدا ہو چکی ہے اور اب میری موت سے پہلے اس خلیج کو پات سکنا میرے لئے نا ممکن ہے۔ پر اس کے لئے ایسا بھی ہوا کہ ایک دن کسی قریب کے شہر سے کچھ لوگ آئے انہوں نے آ کر کہا کہ یہاں کچھ یتیم بچے رہتے ہیں۔ ہم انہیں اپنے ساتھ یتیم خانے میں لے جائیں گے۔ یہ بچے اب یتیم خانے میں پروان چڑھیں گے۔ اتنے میں میرے دادا جان تشریف لے آئے فرمایا یہاں کوئی یتیم بچے نہیں رہتے۔ یہاں میرے نہایت پیارا پوتے رہتے ہیں۔ باپ نہیں تو کیا ہوا۔ باپ کا باپ تو موجود ہے۔ خدا کی قسم جب تک میں موجود ہوں یہ یتیم خانے نہیں جائیں گے۔ یہ میرے پاس رہیں گے۔ اگر تم انہیں لے جانے کی کوشش کرو گے۔ تو پھر اس اپنے ساتھ پورے گھر کو لے جانا ہو گا۔ غرضیکہ اس طرح وہ لوگ مایوس اور ناکام و نامراد ہو کر واپس لوٹ گئے۔ والدہ ماجدہ کی وفات ٹھیک ایک سال قبل

والد محترم کا سی دن اور اسی تاریخ کو انتقال ہو چکا تھا۔ اب یہاں سے میرے دور یتیمی کا آغاز ہوتا ہے لیکن اس دور تک پہنچنے سے پہلے کئی ایک فصول اور ابواب کا طے کرنا ابھی باقی ہے۔ لہذا کیلانی کی تربیت کے تقاضے کے تحت جو محترم کے حالات قلم بند کئے جائیں گے۔

صوفی وصاقی عبد المجید:

حضرت مولانا عبد المجی کہ نہیں صفاء نے باطن کی وجہ سے لوگ مولوی و صوفی صاحب کے نام سے پکارا کرتے تھے۔ آپ علامہ قادر بخش کے دوسرے نمبر کے صاحبزادے تھے آپ عمر میں علامہ عبد العزیز کے بعد تھے والد صاحب کی وفات کے بعد اکثر علوم وفنون علامہ عبد العزیزؒ کھر ہی پر حاصل کئے تھے۔ محب معلامات و اعمال پر دو میں تقوی اور صرف تقوی کا خیال کرتے تھے۔ نمود و نمائش سے آپ کوسوں دور رہتے۔ عورت شہرت اور دولت ان میں سے کوئی چیز آپ کو تقسی کے راستوں سے جدا کرنے کی طاقت نہیں رکھتی تھی۔ آپ ظاہر اعمال جس قدر نعوی کا لاتزام اس کا اندازہ لگانے کے لئے یہ امر کنایت کرتا ہے کہ ہزاروں پر بیٹھ کر بھی اپنے لوٹے کے پانی سے وضو فرمایا کرتے تھے یا جب مسجد میں ٹوٹیاں لگ گئیں تو ایسا نہیں کرتے تھے کہ وہاں بیٹھ کر ٹوٹی چلا کر وضو کر لیں بلکہ آپ کا وطیرہ یہ تھا۔ کہ ٹونٹی سے اپنا لوٹا بھر لیتے اور ہمیشہ اتنی مقدار کے پانی سے وضو یا غسل طہارت فرماتے جتنا کہ عقاد نے اس کام کے لئے تحریر کیا ہے اس طرح کپڑے فواہ دلوی نے وصوئے ہو یا بیٹی نے ان کو دوبارہ پانی میں تین یا سات بار نکالتے، فرماتے دھوبی کپڑا صاف کرتا پاک نہیں کرتا وہ پاک کیا کرے گا جو نہ خود پاک ہے نہ پاکیزگی و طہارت کی شرائط کا علم رکھتا ہے۔ پاکیزگی و طہارت کے ساتھ تقوی اور بس ملات میں ادنی ترین ظلم سے بھی تضنب اختیار کرنے کا یہ حال تھا کہ ایک دفعہ استخار کرنے کے لئے ایک شاگر قریب کے کھیت سے مڑی کے ڈھیلے اٹھالایا۔ صبح ہوئی فرمایا ڈھیلے تم نے زمین کے مالک کی مرضی سے لائے گئے ہیں یا اس کے اذن اور اجازت کے بغیر ایسے ہی اٹھالائے ہو جب اس نے کہا استاذ یہ تو اتنی عام سی بات ہے بھلا کسی کھیت سے چند سے چند ڈھیلے اٹھالینے کے لئے کسی سے اجازت یا اذن کا کونسا سوال تھا۔ فرمایا تم نے جو پڑھا ضائع کر دیا۔ اور اگر تم نے اس رویے سے توبہ نہ کی تو تمہیں علوم اسلامیہ پڑھنے پڑھانے سے کچھ حاصل نہ ہو گا۔ اللہ کے بندے جس زمین پر کسی فرد کا شرعی قبضہ یا تملک ثابت ہے اب اس کی اجازت کے بغیر وہاں سے کوئی بھی منفعت حاصل کرنا شرعاً جائز ہے ہم گروہ علماے جو اپنے آپکو شریعت غدار کا محافظ گردانتے ہیں ہمارا فریضہ ہے کہ ہم سب سے پہلے اس شریعت ڈاعدیہ پر خود عامل ہوں تا کہ ہمارے نمونے کو دیکھ کر عام امت بھی شریعت کی پابندی کا رجحان عام پایا جائے۔ لہذا جاؤ یہ ڈھیلے واپس کر آؤ ہاں اگر وہ اجازت دے دے تو پھر انہیں اس صورت میں واپس لے آنا۔ غرضیکہ بڑا بھائی یعنی عبد العزیزؒ علم وتنقہ اور رسالت و خلافت میں اپنی مثال آپ تھے۔ مولانا عبد المجید زہد و تقوی اور سفالے باطن میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ یہ رشتے میں میرے دادا تھا۔ اور میری تمام تربیت انہی کے دست شفقت دادامن رحمت میں ہوئی ہے مسجد یا ہو گھر گھر یا کھیت کھلیاں وہ پنچہ ہجے اپنے پاس رکھتے جب میرے بعد میر ابھائی حمد اللہ پیدا ہوا اسی وقت سے دادا جان نے مجھے اپنے ساتھ لٹانا شروع کر دیا۔ عشاے کی نماز پڑھ کر جب آپ تشریف لاتے تو فرماتے غلام جنت فاطمہ کفایت اللہ کو میرے پاس لے آؤ اگر میں سویا بھی ہوتا تہ بھی فرماتے اسے میرے پاس لے آؤ۔ اگر

بدن پر کہیں متی لگی ہوتی تو اپنے صافے سے اسے صاف کرتے اپنے شاتھ لٹاتے اور سردیوں میں بالخصوص اٹھ اٹھ کر دیکھتے کہ کہیں لحاف میرے اوپر سے کھسک تو نہیں گیا اور گرمیوں کے اندر چونکہ ابھی رے بجلی وغیرہ اک تو نام ونشان بھی نہ تھا۔ لہذا رات ور دن کے اوقات ہاتھ کے پنکھے استعمال ہو تے تھے۔ جب میں بالکل چھوٹا تھا تو دادا جان مجھے پنکھے سے ہوا دیتے اور جب بھی چھ سال یا سات سال کا ہو گیا۔ اسی وقت سے لیکر بلوغت تک جبتک میں آپ کے ساتھ رہا پنکھا سے ہوا دینا بس نے اپنی ڈیوٹی بنائی تھی۔ دادا جان ہمیں ہر دان چڑ بنانے کے لئے نہایت عسرت کی زندگی گذار ہے ہجرت پاکستان کے بعد ہماری زندگی نہایت عسرت کی گزاری خاص طور پر والد صاب کے انتقال کر جانے کے بعد کیونکہ دادا جان جسمانی طور پر ضعیف تھے ۔بڑے تایا پہلے ہی مجذوب اللہ لوگ تھے۔ انہیں دنیا اور اس کے کمانے سے کوئی دلچسپی کبھی نہ تھی اگر چہ انہیں دنیا اور اس کے کمانے کے حوالے سے کوئی دلچسپ نہیں تھی تو پھر بھی وہ صرف والد صاحب کی خدمت اور یتیم بچوں کی پرورش کے حوالے سے صبح سویرے ایک کسان کے ہاں اجرت پر چلے جاتے وہ کسان دن بھر ان سے کام لیتا دو وقت کا کھان کھلا تا اور شام کو رات کے وقت وہ انہیں اتنا چارہ دیتا جس سے ایک بھینس کا گذارہ ہو سکتا۔ تو بہر حال یہ ان کی سعادت مندی تھی کہ وہ اپنے بوڑھے باپ سے یتیم بچوں کی پرورش کے لئے اللہ لوگ ہونے کے باوجود اس قدر پر مشقت زندگی گذارتے رہے اب وہ مرحوم ہو چکے ہیں۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے ہاں بلند سے بلند مقام عطا فرمائے۔ دادا جان کی پر مشقت زندگی کا اندازہ لگانے اور ان کے تقوی وطہارت کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے اس منظر پر غور فرمائیں کہ ایک معزز عالم دین ایک ایسی بھینس کو لئے آکر جس کے گلے میں ایک وزنی لکڑی ڈالی ہوئی ہے کہ وہ کیسی روز مرہ دور بھاک کر اپنی بے بس نہ کر دے وہ چل چلاتی جون جولائی کی دھوپ عین دوپہر کے وقت اسے چرانے کے لئے ان کہالوں میں لے جاتا ہے جو ریاضی ملکیت ہیں اس کے ہاتھ میں اپنا معنومی عصا بھی وہ مصیبتیں نے کھال کے گھاس کی بجائے ادھر ادھر گزدن اٹھائی کہ وہ کسی دوری فصل میں اپنا منہ میرے وہ نہایت پیار سے روک دیتا ہے عام طور پر جس وقت وہ واپس آتے میں اس وقت یہ مل مٹی کے پیسوں میں تو سکول بھی ہو تا ہیں۔ ان سے کہتا کہ دادا جان میں سکول نہیں پڑھو گا میں آپ کے ساتھ بھینسیں چرانے جانا چاہتا ہوں یا مجھے اس وقت چھٹی مل جانے چاہیئے کہ جب آپ تلات یہ دوپہر کے وقت تشریف لاتے ہیں تا کہ لو مُن آپ کے لئے آئیں پسندیدہ ٹھنڈی لسی لیکر پہنچ جاؤں فرماتے نہیں۔ پیارے بیٹے تم اپنی تمام تر توجہ حصول علم پر دیتے ہو لسی گھر پر لی لی یا تالاب پر آدھے گھنٹہ پہلے یا کچھ لیٹ۔ ٹھنڈی پی لی یا تازہ ہر چیزیں اتنی اہمیت نہیں رکھتی اصلاً اہمیت جس چیز کو حاصل ہے وہ اپنے اپنے فریضہ کی ادائیگی ہے اور بس میں اپنا فریضہ پرورش انجام دے رہا ہوں تم اپنا فریضہ حصول واکتساب علم انجام دیتے رہو اسی میں ہم سب کا بھلا ہے۔ بہر حال آپ کے امر کے سامنے میں مجبور ہو جاتا۔ لیکن جب گرمی کی چھٹیاں ہو تیں تو میرا شدید اصرار ہو تا کہ میں بھی بھینسیں چرانے ضرور ساتھ جاؤں گا۔ اگر وہ مجھے اپنے ساتھ لے جانے پر آمادہ نہ ہوتے تو میں مصنوعی طور پر ناراضگی کا اس طرح اظہار کر تا کہ میں زمین پر لیٹ جانے کا اعلان کر دیتا۔ اس طرح وہ جبراً اور قہراً مجھے ساتھ لے جاتے مجھے ان کے ساتھ جانے میں بے پناہ قلبی راحت ملتی۔ وہ اس تمام وقت میں مجھے طرح طرح سے نصائح ومطائف سے نوازتے بزرگان کرام کے حالات سنا کر تاریخی اسلامی کے واقعات سناتے اپنے خاندان کے اکابر واصاغہ کی تاریخ بیان کرتے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ میں اپنی عمر کے بچوں کی بہ نسبت تاریخ اسلام اور فہم دین کے حوالے سے

بہت آگے لکل گیا۔ جب میں سکول مین داخل ہوا اور مجھے اردو کا قاعہ اور دینیات کا رسالہ پڑھنے کو ملا تو میں سال کے نصاب کو چند دونوں میں ختم کر دیا۔ میں نے چند دنوں بعد جا کر ہیڈ ماسٹر صاحب سے کہا کرو میرے امتحان لے لیں اگر میں پاس ہو جاؤں تو مجھے اگلی جماعت مین کرئیں انہوں نے کیا بیٹا یہاں تو امتحان تو سال بہ سال ہو گا۔ اس مجھے بڑا ذھنی صدمہ پہنچا خیر بات ہو کر ہا تھا کہ میں اپنی عمر کے بچوں کی بہ نسبت بڑی عمر کے بابوں میں زیدہ جلد ملا رکھنے لگا۔ مجھے بچپن میں ہی کھیل کود کا قطعاً کوئی شوق نہیں تھا۔ جب میرے ہم عمر بچے کھیل کود کی طرف مجھے بلاتے تو میں انہیں کہتا کہ مجھے اپنی باباجی کی صحبت اور ان کی گفتگو سننی ہے جو لطف آتا ہے ان کے در نہیں باتیں رہنے سے جو مجھے خوشی ملتی ہے وہ کبڈی یا گلی ڈنڈے یا اخروٹ کھیلنے میں کہاں مل سکتی ہے وہ مجھے کہتے ایک دفعہ آزما دیکھو میں کہتا ہوں نے کھیل کو آزما کر کیا لینا ہے تمہیں دیکھ رہا ہوں کھیل کود اور گلی ڈنڈا کی وجہ سے میں دیکھ رہا ہوں صحیح پڑھنا تمہیں نہیں آتا اسلامیات کے سوالات کے جوابات میں تم نل ہو تو میں نے جب تمہیں دیکھ لیا ہے اب مجھے تمہاری کھیلوں کو آزمانے کی قطعاً کچھ حاجت نہیں ہے بہر حال میں علی الصبح مسجد سے واپس آ کر اسی گھڑی کا انتظار کر تا رہتا جب دادا جان مجھے بھینس کو اس کے کھونٹے سے کھولنے کا اشارہ کرتے میں فوراً بھینس کو کھولتا ڈنڈا ہاتھ میں پکڑ تا اور باباجی کے ساتھ بھینس چرانے کے لئے چرواہے کے فرائض انجام دینے کے لئے نکل کھڑا ہو تا میں یہ عمل اس وقت تک انجام دیتا رہا جب تک کہ میرے چھوٹے چچا ملازم نہ ہوئے لیکن جب میں چھٹھی جماعت میں تھا تو میرے یہ چچا ہم سب کو اپنے ساتھ لیکر اپنے حلقے میں لے آئے اس وقت سے بھینس چرانے کا مشغلہ چھوٹ گیا۔ لیکن اس کے نتیجہ میں اب مجھے باباجی کے ساتھ رہنے کا اور زیادہ وقت ملنے لگا۔ بہر حال بات باباجی کی ہو رہی تھی۔ باباجی شاہ عبد القادر رائے پوری کے ہاں بہت بھی ہونے اور ساری زندگی انہوں نے ہزار ہا بچے بچیوں کو فی سبیل اللہ قرآن حکیم پڑھایا۔ تعلیم الاسالم از مفتی کفایت اللہ مرحوم بھی اکثر پڑھایا کرتے تھے۔ احوال کہ فرۃ اور زینت الاسام از مولانا بارک اللہ مرحوم بھی اکثر لوگوں کو پڑھایا کرے۔ اگر چہ اب ملگا دیو بندی تھے۔ لیکن حلکی تعصب سے پاک تھے۔ اگر چہ فقہی مسائل میں فقہ حنفی کا تقلید کرتے لیکن دیگر ائماء فقہ کا نہایت احترام و عقیدت سے کام لیا کرتے تھے۔ اگر تصوف میں چنت صابری تھے۔ لیکن صوفیا و نقشبندی و سیر و دیر سے بھی انس رکھتے تھے۔ مثنوی مولانا روم ان کی مر غوب کتاب تھی۔ کتاب مشد کے بعد اسی کا زیادہ مطالعہ فرماتے دادا جی کا اعتماد علی اللہ اور توکل و ایمان کی شان کا اس کا اندازہ لگانے کے لئے کچھ واقعات کا بیان کر دینا مناشت رہے گا۔ ایک دفعہ ہمارے وی چھوٹے چچا جن کی ملازمت کا ابھی ابھی ذکر ہو رہے وہ اتنے بیمار ہو گئے کہ کم از کم مجھے ان کے بچنے کی امید نہیں رہی۔ میں نہایت پریشان کے عالم میں مسجد گیا۔ کیونکہ باباجی اکثر اوقات مسجد ہی میں ڈیرہ لگائے رہتے تھے۔ میں نے عرض کیا چچا جان بہت شدید تکلیف میں ہیں دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں جلد شفایاب فرمادیں۔ فرمایا بیٹا کفایت اللہ! اس حوالے سے تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں تم ابھی نابالغ اور پھر یتیم اور بھی اب اتنا لاغر اور ضعیف ہو چکا ہوں کہ کمانے سے عاجز ہوں تو سوچو! کیا ایسی حالت میں ہمارا کریم آقا ہم سے وہ سہارا چھین لے گا جس کے سوائے دنیا میں کوئی دوسرا سہارا نہیں ہے۔ نہیں بیٹا واپس جاؤ تمہارا چچا جلد ہی صحتیاب ہو جائے گا۔ بہر حال دادا جی اسی وقت گھر تشریف لائے۔ چچا جان سے صحت کے بارے میں کچھ والات کئے سعید احمد! ہمت کرو۔ تم ٹھیک ہو انشاء اللہ جلد اس مرض سے نجات پا جاؤ گے۔ وہ بھی سورج غروب ہونے سے پہلے پہلے چچا جان کا شدید بخار غائب ہو گیا۔ اور دو تین دنوں کے اندر

اندر صحت بحال ہو گئی۔ قوت و طاقت عمود آئی اور انہین نے اپنا کام شروع کر دیا۔ آپ کے ایک عقیدہ تمند نمبر دار تھے۔ ان کی بھینس ایک خاص بیماری میں مبتلا ہو گئی۔ اپنی کوئی مشرکانہ ٹونے ٹوٹکے کرنے کو کہا گیا۔ انہں نے داداجی سے درخواست کی کہ دعا کریں کہ اللہ تعالی ان کے مویشیوں کو اس آفت سے نجات دے۔ داداجی فرمایا نمبر دار صاحب جانور مر جائی تو مر جائیں لیکن آپ پختہ عہد کریں کہ آپ کی مشرکانہ ٹوٹکے ٹونے سے کام نہیں لیں گے۔ ویسے مین آپکو یقین دلا تا ہوں۔ کہ اگر آپ اپنے اس عہد پر قائم رہیں گے تو اللہ تعالیٰ آپ کے کسی کٹے کو بھی نہ مرنے دیں گے۔ نمبر دار صاحب پنے عہد پر قائم رہے اور جب ارد اگرد سے جانور مر رہے تھے ان کا ایک کٹا بھی نہیں مرنے پایا۔ وللہ الحمد